اخبار الرایہ

شمار نمبر 595

(15-اپریل-2026)

(عربی سے ترجمہ)

امریکہ: بیرونی طاقت اور اندرونی انتشار کے درمیان 2

امریکہ اور ایران کے درمیان جنگ بندی اور مذاکرات 6

آزادی ایک حقیقت ہے، نعرہ نہیں 10

ڈنمارک کے انتخابات: جمہوریت کا ایک اسکینڈل 12

یہودی وجود کے ساتھ ہمارا معرکہ ایک وجودی معرکہ ہے، مفادات یا قوم پرستانہ حدود کا جھگڑا نہیں 13

امریکہ اور یہودی وجود کی ایران کے خلاف جنگ اور ہرمجدون کی راہ! 15

چین غیر جانبدار نہیں ہے: سیاسی اسلام کو روکنے کے لیے ثالثی! 19

امت کے نوجوان: بکھری ہوئی توانائی سے خلافت قائم کرنے والی قوت تک 22

مسلمانوں کی جنگ ایک ہے اور ان کی صلح بھی ایک ہے 26

استعماری مغرب کو خلافت سے کس بات کا خوف ہے 27

اسلامی امت، انتشار اور بیداری کے درمیان 28

آج ہم جس تقسیم کا سامنا کر رہے ہیں وہ ہماری تقدیر نہیں، بلکہ ایک عارضی صورتحال ہے جسے ختم کیا جا سکتا ہے 29

ٹرمپ اور امریکی قیادت کا بکھراؤ 31

امریکہ اور یہودی وجود کی ایران کے خلاف جنگ اور سوڈان پر اس کے اثرات 33

شعور کے زلزلے اور یقین کے دردِ زہ کے درمیان: دنیا ایک نئے نظام کی دہلیز پر 37

مسلمانوں اور انسانیت کو جہالت، ظلم اور تشدد سے بچانے کا واحد راستہ 40

اے مسلمانو: بے شک تمہاری عزت اور وقار خلافت کے سائے میں پوشیدہ ہے، جسے قائم کرنے کے لیے حزب التحریر جدوجہد کر رہی ہے۔ اس نے خود کو اس عظیم مشن کے لیے وقف کر دیا ہے، اور اس کے شباب تمہارے درمیان موجود ہیں، جو تمہیں اپنی حمایت اور اپنے ساتھ مل کر جدوجہد کرنے کی دعوت دے رہے ہیں۔ تو کیا کوئی ہے جو اس دنیا کی عزت اور آخرت کی کامیابی کے لیے، بیعتِ عقبہ ثانیہ جیسی بیعت کے ذریعے، نبوت کے نقشِ قدم پر خلافتِ راشدہ ثانیہ کے قیام کے لیے کوشش کرنے کے لیے تیار ہو؟! اس وقت سرمایہ دارانہ نظام کے حامل کفر کے علمبردار مغرب اور اس کی ناجائز اولاد، یہودی وجود کا خاتمہ ہو جائے گا، اور اسلام کا جھنڈا (رایۃ) بلندیوں پر لہرائے گا۔

امریکہ: بیرونی طاقت اور اندرونی انتشار کے درمیان

تحریر: استاد نبیل عبدالکریم

(ترجمہ)

قومیں ایسی اکائیاں نہیں ہوتیں جو کسی اچانک دھچکے سے زمین بوس ہو جائیں، اور نہ ہی وہ عموماً صرف اپنی سرحدوں پر گھات لگائے بیٹھے کسی دشمن کی وجہ سے گرتی ہیں۔ بلکہ، وہ تب بکھرتی ہیں جب ان کی بنیادیں اندر سے کھوکھلی ہو جاتی ہیں، اور جب وہ اپنی دفاعی طاقت کھونے سے پہلے اپنی یکجہتی اور ہم آہنگی کی صلاحیت کھو بیٹھتی ہیں۔ یہ حقیقت، جس کی تصدیق رومی سلطنت کے زوال سے لے کر سوویت یونین کے ٹوٹنے تک کے تاریخی تجربات سے ہوتی ہے، آج امریکہ کی حقیقت کا جائزہ لیتے وقت خود کو بڑی شدت سے منواتی ہے۔ وہ ملک جو آج بھی فوجی اور معاشی طاقت میں دنیا کی قیادت کر رہا ہے، وہ بیک وقت گہری داخلی دراڑوں کا اکھاڑا بنا ہوا نظر آتا ہے، جو اس کے سیاسی، سماجی اور معاشی ڈھانچے کو متاثر کر رہی ہیں۔

امریکہ کے لیے چیلنج اس کی بظاہر بیرونی طاقت میں کمی میں نہیں ہے، بلکہ اس طاقت اور اس کی داخلی حقیقت کے درمیان بڑھتی ہوئی خلیج میں ہے۔ یہاں ایک بنیادی سوال پیدا ہوتا ہے: کیا کوئی عالمی طاقت عالمی نظام کی قیادت جاری رکھ سکتی ہے جبکہ وہ بڑھتی ہوئی داخلی تھکن اور اپنی ہی اپنائی ہوئی ہر نظریاتی اساس کے گہرے تضاد کا شکار ہو؟

آیئے امریکہ کی بیرونی طاقت کے کچھ پہلوؤں کا جائزہ لیں۔ ریاست ہائے متحدہ امریکہ اب بھی واضح عالمی اثر و رسوخ برقرار رکھے ہوئے ہے، جو اس کے قیام سے لے کر اب تک جمع کی گئی فوجی، معاشی اور ثقافتی بنیادوں کا نتیجہ ہے۔ ان میں شامل ہیں:

عالمی فوجی بالادستی: یہ دنیا کی سب سے بڑی اور طاقتور ترین فوج کا حامل ہے، جس کا دفاعی بجٹ عالمی سطح پر سب سے زیادہ ہے، جس کا تخمینہ تقریباً 878.7 بلین ڈالر ہے۔

بین الاقوامی فوجی موجودگی: یہ دنیا بھر میں فوجی اڈوں کا ایک وسیع نیٹ ورک برقرار رکھتا ہے، جو اسے کسی بھی خطے میں فوری مداخلت کی صلاحیت فراہم کرتا ہے۔ یہ سیکیورٹی اتحادوں میں بھی کلیدی کردار ادا کرتا ہے، جیسے کہ دنیا کے طاقتور ترین فوجی اتحاد 'نیٹو' (NATO) کی قیادت کرنا۔

ڈالر کے ذریعے عالمی مالیاتی نظام پر غلبہ، جو زیادہ تر بین الاقوامی تجارت اور زرمبادلہ کے ذخائر میں استعمال ہوتا ہے۔ مزید برآں، مرکزی بینک اور کثیر القومی کارپوریشنز ٹیکنالوجی کے زیادہ تر شعبوں پر حاوی ہیں۔

اسٹریٹجک آبی گزرگاہوں اور طاقت کے توازن پر کنٹرول: یہ عالمی تجارتی راستوں کی حفاظت اور انہیں محفوظ بنانے کی صلاحیت رکھتا ہے اور عالمی توانائی کی حفاظت پر کنٹرول برقرار رکھتا ہے۔

چنانچہ، یہ مظاہر اس بات کی عکاسی کرتے ہیں کہ امریکہ اب بھی تسلط اور بالادستی کے روایتی اور جدید دونوں ذرائع رکھتا ہے۔ اگرچہ یہ طاقت فی الحال زوال پذیر ہے نہ کہ ترقی پذیر، پھر بھی یہ سب سے آگے ہے۔ تاہم، یہ بیرونی طاقت اندرونی طور پر جمع ہونے والے چیلنجوں پر پردہ ڈال سکتی ہے، جو اس مرکزی خیال کو تقویت دیتی ہے کہ: بیرونی طاقت کا مطلب لازمی طور پر داخلی استحکام نہیں ہوتا۔

لہٰذا، اب ہم امریکہ کے داخلی انتشار کے کچھ مظاہر پیش کریں گے: شدید سیاسی پولرائزیشن (تقسیم)، جہاں سیاسی نظام ریپبلکن اور ڈیموکریٹک پارٹیوں کے درمیان ایک اَن دیکھی تقسیم کا سامنا کر رہا ہے۔ یہ تقسیم روز بروز اس کی اسٹریٹجک

تباہی کی گہرائی کو ظاہر کر رہی ہے، جس کا ثبوت قانون سازی کی گرتی ہوئی صلاحیت، بار بار کی حکومتی تالہ بندی (شٹ ڈاؤن)، تعمیری اشرافیہ کی عدم موجودگی، اور اداروں پر اعتماد میں کمی سے ملتا ہے۔ پیو ریسرچ سینٹر (Pew Research Center) کے حالیہ جائزوں سے پتہ چلتا ہے کہ کانگریس پر اعتماد تاریخی طور پر نچلی ترین سطح پر آ گیا ہے۔

معاشی خلیج کے بڑھنے کا تو ذکر ہی الگ ہے۔ فیڈرل ریزرو کی رپورٹیں بتاتی ہیں کہ دولت کا ایک بڑا حصہ صرف 1 فیصد آبادی کے ہاتھوں میں مرکوز ہو کر رہ گیا ہے۔ اس سے متوسط طبقہ کمزور ہو رہا ہے جس کی قوتِ خرید مسلسل ختم ہوتی جا رہی ہے۔ اس طبقے کا معاشی استحکام ختم ہوتا جا رہا ہے، کیونکہ رہائش، تعلیم اور صحت سمیت زندگی گزارنے کے بڑھتے ہوئے اخراجات کے مقابلے میں حقیقی اجرتیں منجمد ہو کر رہ گئی ہیں۔ حال ہی میں مسلح تشدد اور جرائم کی شرح میں اضافہ ہوا ہے، جبکہ یہ ملک بیک وقت قومی قرضوں، بلند افراطِ زر، بیرونِ ملک فوجی و سیاسی پھیلاؤ اور جدوجہد کرتی ہوئی امریکی عوام کی آنکھوں کے سامنے خطیر رقم کے بے دریغ اخراجات جیسے مسائل سے نبرد آزما ہے۔ یہ صورتحال ان جنگوں کے نتائج کی وجہ سے مزید ابتر ہو گئی ہے، جس کے نتیجے میں زندگی گزارنے کی قیمتوں میں اضافہ اور بھاری ٹیکس عائد ہوئے ہیں۔ امریکی عوام ان مسائل پر پیسہ خرچ کرنے کو مسترد کرتے ہیں جنہیں وہ غیر متعلقہ سمجھتے ہیں؛ جب بات بھوک اور اپنی خوشحالی کے بڑے حصے کے ختم ہونے کی آتی ہے، تو انہیں امریکہ کی عظمت سے کوئی سروکار نہیں رہتا۔

جو چیز اس رجحان کو مزید خطرناک بناتی ہے وہ اس کا بیک وقت بیرونِ ملک ایک زبردست طاقت کے طور پر ابھرنا ہے، جو ریاست کے ظاہری ڈھانچے اور اس کی اصل حالت کے درمیان ایک خلیج پیدا کر رہا ہے۔ بالآخر، بڑی طاقتوں کو محض ان کی ظاہری طاقت کی نمائش سے نہیں سمجھا جا سکتا، بلکہ ان کے داخلی ڈھانچے کے تجزیے اور خود کفالت کی صلاحیت کے جائزے سے سمجھا جاتا ہے۔

امریکہ کا موجودہ تجربہ اس تضاد کی واضح طور پر عکاسی کرتا ہے: ایک ایسی بیرونی طاقت جو اب بھی بین الاقوامی نظام کی کنجیوں پر قابض ہے، جبکہ داخلی طور پر وہ انتشار اور اعتماد کے مکمل خاتمے کے بوجھ تلے سسک رہا ہے۔

اصل سوال یہ نہیں ہے کہ: کیا امریکہ آج مضبوط ہے؟ اس کے بجائے سوال یہ ہے کہ: کیا یہ داخلی تجدید کی صلاحیت رکھتا ہے؟ درحقیقت، یہ اپنے آپ کو اندر سے بدلنے کی صلاحیت نہیں رکھتا، جس کی وجہ اس کے سرمایہ دارانہ نظریے کی فطری ناکامی ہے، جو اپنے اندر خود اپنی تباہی کے بیج چھپائے ہوئے ہے، اور ساتھ ہی تعمیری اشرافیہ کی عدم موجودگی اور تباہ کن گروہوں کا ظہور ہے۔ لہٰذا، آج کی دنیا اس حکمران سرمایہ دارانہ نظام کو قابلِ عمل تسلیم نہیں کرتی۔

آج دنیا کو ایک ایسے درست نظریے کی ضرورت ہے جو عدل و انصاف، مساوات اور ہمدردی کی بنیادوں پر استوار ہو، جس کی سرمایہ دارانہ نظام میں مکمل کمی ہے۔ اسلام ایک آئیڈیالوجی (نظریہ) کے طور پر پوری دنیا کا نظام چلانے کی مکمل اہلیت رکھتا ہے؛ یہ سرمایہ دارانہ نظام کو جڑ سے اکھاڑ پھینکنے، انصاف کے قیام، ہر حق دار کو اس کا حق دینے، روشنی اور رحمت پھیلانے، اور انسانیت کو اس کا وہ کھویا ہوا وقار واپس دلانے کی صلاحیت رکھتا ہے جو افادیت پسندی اور سرمایہ دارانہ ہتھکنڈوں نے اس سے چھین لیا ہے۔

اسلامی نظریہ ایک مکمل ضابطہ ہے جو نفاذ کے لیے بالکل تیار ہے، لیکن اسے عملی شکل دینے کے لیے ایک مخلص قیادت درکار ہے۔ حزب التحریر خلافتِ راشدہ کے قیام کے ذریعے اس عظیم مقصد کے حصول کے لیے دن رات محنت کر رہی ہے۔ اس جماعت نے اپنے مخلص مردوں اور عورتوں کو تیار کیا ہے، جبکہ اس کا طریقہ کار براہِ راست کتاب اللہ اور سنتِ نبوی ﷺ سے اخذ کیا گیا ہے۔ یہ جماعت ہمارے عظیم المرتبت رسول ﷺ کے نقشِ قدم پر چل رہی ہے اور آپ ﷺ کی دی ہوئی اس خوشخبری کے پورا ہونے پر پختہ یقین رکھتی ہے کہ:

«ثُمَّ تَكُونُ خِلَافَةً عَلَى مِنْهَاجِ النُّبُوَّةِ» ترجمہ: "پھر نبوت کے نقشِ قدم پر خلافت ہو گی"۔ (مسند احمد)

اسی طرح حزب التحریر کو اللہ سبحانہ وتعالیٰ کے اپنے رسول ﷺ سے کیے گئے اس وعدے کی تکمیل پر بھی کامل بھروسہ ہے کہ اسلام پوری دنیا پر حکمرانی کرے گا۔ حضرت تمیم داریؓ سے مروی ہے، انہوں نے کہا کہ میں نے رسول اللہ ﷺ کو یہ فرماتے ہوئے سنا:

«لَيَبْلُغَنَّ هَذَا الأَمْرُ مَا بَلَغَ اللَّيْلُ وَالنَّهَارُ، وَلَا يَتْرُكُ اللهُ بَيْتَ مَدَرٍ وَلَا وَبَرٍ إِلَّا أَدْخَلَهُ اللهُ هَذَا الدِّينَ، بِعِزِّ عَزِيزٍ أَوْ بِذُلِّ ذَلِيلٍ، عِزّاً يُعِزُّ اللهُ بِهِ الإِسْلَامَ، وَذُلّاً يُذِلُّ اللهُ بِهِ الكُفْرَ» ترجمہ: "یہ معاملہ (دین) وہاں تک پہنچے گا جہاں تک رات اور دن پہنچتے ہیں، اور اللہ مٹی کا کوئی گھر یا بالوں کا بنا ہوا کوئی خیمہ (شہر یا دیہات) ایسا نہیں چھوڑے گا جس میں وہ اس دین کو داخل نہ کر دے، کسی کو عزت دے کر یا کسی کو ذلیل کر کے؛ ایک ایسی عزت جس کے ذریعے اللہ اسلام کو غلبہ عطا فرمائے گا، اور ایسی ذلت جس کے ذریعے اللہ کفر کو رسوا کرے گا"۔ (مسند احمد)

امریکہ اور ایران کے درمیان جنگ بندی اور مذاکرات

تحریر: استاد اسد منصور

(ترجمہ)

جب ہم ایران کے خلاف امریکہ کی جارحیت اور اس کے عہدیداروں بالخصوص ٹرمپ کے بیانات کو دیکھتے ہیں، چاہے وہ جارحیت روکنے، اسے دوبارہ شروع کرنے کی دھمکی دینے یا جنگ بندی کے اعلان کے حوالے سے ہوں، تو اس سب کو جارحیت کے پیچھے چھپے اس کے مقصد کو پہچاننے کے تناظر میں سمجھنا ضروری ہے۔ تمام اقدامات اسی مقصد کے حصول کے لیے کیے جاتے ہیں۔ ایران کے لیے، یہ مقصد اسے امریکہ کے زیر اثر رہنے والی ریاست (جو آزادی کی کوشش کر رہی ہے) سے بدل کر ایک ایسی تابع ریاست بنانا ہے جس پر امریکہ اپنی شرائط مسلط کرے اور اپنی خواہشات کو عملی جامہ پہنائے۔ جہاں تک پورے خطے کا تعلق ہے، تو مقصد اس کے اسٹریٹیجک محل وقوع کی وجہ سے اس پر اپنا کنٹرول مضبوط کرنا، استعماری مقاصد کے تحت اس کے وسائل لوٹنا، اس کے دوبارہ عروج اور آزادی (تحریر) کو روکنا، اور اس کی خلافت کے قیام کو ناکام بنانا ہے، کیونکہ خلافت ایک ایسا عالمگیر نظریہ رکھتی ہے جو سرمایہ دارانہ نظام کو چیلنج کرتا ہے۔ اس کا مقصد یہودی وجود کو مضبوط کرنا بھی ہے تاکہ اسے ان مقاصد کے حصول کے لیے ایک ناپاک آلے کے طور پر استعمال کیا جاسکے۔

جب امریکہ ایران کے خلاف 40 روزہ جنگ کے دوران اپنا مقصد حاصل کرنے میں ناکام رہا، تو اس نے پاکستانی منصوبے کی آڑ میں دو ہفتوں کی جنگ بندی کی درخواست کی، جس کے بدلے میں ایران آبنائے ہرمز کو کھولے گا۔ اس طرح، اس نے اپنا مقصد صرف اس آبنائے کو کھولنے تک محدود کر دیا، جو اس کی ایران کے خلاف جارحیت سے پہلے ہی کھلا ہوا تھا! امریکہ نے اس وقت جنگ بندی کا سہارا لیا جب ایران نے اس کے 15 نکاتی منصوبے کو مسترد کر دیا، جو 24 مارچ 2016 کو پاکستان ہی کے ذریعے پیش کیا گیا تھا۔ ایران نے فائرنگ کے سائے تلے مذاکرات کرنے سے انکار کر دیا تھا۔ اس منصوبے میں اس کے ایٹمی پروگرام کا مکمل خاتمہ، نطنز، فردو اور اصفہان کے ایٹمی ری ایکٹرز کی بندش، اپنے 60 فیصد افزودہ یورینیم کے ذخیرے کو ایٹمی توانائی کی عالمی ایجنسی (IAEA) کے حوالے کرنا، بیرون ملک سے پرامن مقاصد کے لیے یورینیم کی درآمد، ایرانی سرزمین پر یورینیم کی افزودگی پر پابندی، اس کے ایٹمی پروگرام اور سپلائی کے ذرائع کا آئی اے ای اے (IAEA) کے ذریعے سخت معائنہ، اس کے بیلسٹک میزائل اور ڈرون پروگراموں کی روک تھام، لبنان میں حزب اللہ جیسے علاقائی گماشتوں کی حمایت کا خاتمہ، آبنائے ہرمز کو آزاد بحری گزرگاہ کے طور پر برقرار رکھنا، اور یہودی وجود کے بقا کے حق کو تسلیم کرنا شامل تھا۔ ان تمام شرائط اور فائرنگ کے سائے تلے مذاکرات کو ایران کے لیے توہین آمیز سمجھا گیا۔

اس کے نتیجے میں جنگ بندی ہوئی اور مطالبات میں نرمی آئی۔ تاہم، یہ مطالبات مذاکرات کا مرکز رہیں گے، جو کہ مطالبات کی بلند ترین سطح کی نمائندگی کرتے ہیں۔ اس کے بعد امریکہ ان میں سے تمام یا زیادہ تر کو حاصل کرنے کے امکان کا جائزہ لے گا۔ اگر وہ ان مطالبات کو مسلط کرنے میں کامیاب ہو جاتا ہے، تو ایران طاقت کے ان عناصر سے محروم ہو جائے گا جو اسے ایک علاقائی طاقت بنائے ہوئے ہیں، اور وہ اپنی آزادی کا موقع کھو دے گا، یوں وہ ایک تابع ریاست بن جائے گا۔

جب جنگ بندی کا اعلان ہوا، تو دونوں فریقین کے درمیان 11 اپریل 2026 کو پاکستان میں مذاکرات شروع ہوئے۔ یہ ایران کے لیے ایک کامیابی ہے، کیونکہ اس نے حملوں کے سائے تلے مذاکرات کرنے سے انکار کر دیا تھا۔ جنگ بندی کا مقصد مذاکرات کا انعقاد ہے، نہ کہ مستقل طور پر جارحیت کا خاتمہ۔

جب امریکہ مذاکرات کے لیے امریکی نائب صدر کی سربراہی میں ایک اعلیٰ سطح کا وفد بھیجتا ہے، تو یہ معاملے کی سنگینی اور اس کے اس عزم کو ظاہر کرتا ہے کہ اگر اس کی شرائط، یا ان میں سے اہم ترین شرائط پوری نہ ہوئیں، تو وہ جارحیت دوبارہ

شروع کر دے گا۔ پھر امریکی نائب صدر مذاکرات کے دوران ایرانی وفد کو براہِ راست دھمکیاں دیتے ہیں، وہ امریکہ میں دوسرے بڑے فیصلے ساز کے طور پر کام کرتے ہیں اور صدر کی نمائندگی کرتے ہیں، گویا خود صدر ہی مذاکرات کر رہے ہوں۔ امریکی انتظامیہ کے اندر اس بات پر اتفاقِ رائے پایا جاتا ہے کہ اگر مذاکرات ناکام ہوئے تو جارحیت جاری رکھی جائے گی، اور امریکی نائب صدر نے ہمیشہ جنگ کے مقابلے میں مذاکرات کو ترجیح دی ہے۔ یہ اس بات کی طرف اشارہ ہے کہ مذاکرات کی کوئی بھی ناکامی امریکہ کو دوبارہ جارحیت کی طرف لے جائے گی۔ اس کے صدر، ٹرمپ نے 10 اپریل 2026 کو دھمکی دیتے ہوئے کہا، "ہم دوبارہ سے آغاز (ری سیٹ) کر رہے ہیں۔ ہم بحری جہازوں کو بہترین گولہ بارود اور اب تک کے بنائے گئے بہترین ہتھیاروں سے لاد رہے ہیں... اور اگر ہمارا کوئی معاہدہ نہ ہوا، تو ہم انہیں استعمال کریں گے، اور ہم انہیں بہت مؤثر طریقے سے استعمال کریں گے"۔

جنگ بندی (truce) کی حالت، جنگ کی حالت کے خاتمے اور مستقل امن معاہدے پر دستخط کرنے سے مختلف ہوتی ہے۔ جنگ بندی کسی بھی لمحے ٹوٹ سکتی ہے، خواہ وہ کسی ایک فریق کی جانب سے خلاف ورزی کی وجہ سے ہو یا دونوں کی طرف سے۔

ایران کی شرائط، جیسا کہ درج ہیں، تعداد میں دس ہیں: ایران کے ساتھ جارحیت نہ کرنے کی امریکی ضمانت، آبنائے ہرمز پر ایران کا مسلسل کنٹرول، یورینیم کی افزودگی کی قبولیت، بنیادی پابندیوں کا خاتمہ، ثانوی پابندیوں کا خاتمہ، اس کے خلاف اقوام متحدہ کی سلامتی کونسل کی قراردادوں کا خاتمہ، بین الاقوامی ایٹمی توانائی ایجنسی کے بورڈ آف گورنرز کی جانب سے ایران کے خلاف تمام قراردادوں کا خاتمہ، جنگی نقصانات کے لیے ایران کو معاوضے کی ادائیگی، خطے کے تمام اڈوں اور مقامات سے امریکی جنگی افواج کا انخلاء، اور لبنان سمیت تمام محاذوں پر دشمنی کا خاتمہ۔

تاہم، ایران نے واضح طور پر یہ نہیں کہا کہ وہ امریکہ کی شرائط کو مسترد کرتا ہے۔ اس کے بجائے، اس نے امریکی شرائط کا ذکر کیے بغیر اپنی شرائط پیش کیں، جیسے وہ انہیں امریکی شرائط کے پہلو بہ پہلو رکھ رہا ہو، جس سے یہ ظاہر ہوتا ہے کہ اگر اس کی اپنی شرائط مان لی جائیں تو وہ ان میں سے کچھ یا تمام کو قبول کرنے، یا انہیں ترمیم شدہ شکل میں تسلیم کرنے کے لیے تیار ہے۔

دونوں فریقین کے درمیان براہِ راست مذاکرات کے دو دور منعقد ہوئے، جن کی میزبانی پاکستان نے کی۔ ایرانی میڈیا نے بات چیت میں پیش رفت کا اعلان کیا، اور بتایا کہ امریکہ نے ایران کے منجمد فنڈز واگزار کرنے اور بیروت کے جنوبی

مضافات میں یہودی وجود کے حملوں کو روکنے پر اتفاق کیا ہے۔ اس کا مطلب یہ ہے کہ دریائے لیطانی کا جنوبی علاقہ جنگ بندی سے خارج تھا، کیونکہ یہودی وجود وہاں ایک بفر زون (حائل علاقہ) قائم کرنا چاہتا ہے۔ اس زون کے بارے میں تب مذاکرات ہوں گے جب لبنانی وفد 14 اپریل 2026 کو واشنگٹن میں امریکی سرپرستی میں یہودی وجود کے وفد سے ملے گا۔

اس کے بعد، 12 اپریل 2026 کی صبح مذاکرات کا تیسرا دور ہوا۔ امریکی نائب صدر وینس نے اعلان کیا کہ مذاکرات کسی امن معاہدے کے بغیر ختم ہو گئے کیونکہ ایرانیوں نے جوہری ہتھیار تیار نہ کرنے سے متعلق امریکی شرائط کو مسترد کر دیا تھا۔ انہوں نے کہا، "سادہ سی حقیقت یہ ہے کہ ہمیں ایک حتمی عزم دیکھنے کی ضرورت ہے کہ وہ جوہری ہتھیار حاصل کرنے کی کوشش نہیں کریں گے، اور وہ ان آلات کی تلاش نہیں کریں گے جو انہیں تیزی سے جوہری ہتھیار بنانے کے قابل بنا دیں" اور انہوں نے اس ناکامی کو "امریکہ کے مقابلے میں ایران کے لیے کہیں زیادہ بری خبر" قرار دیا۔

اسی دوران، 12 اپریل 2026 کو ایرانی وزارت خارجہ کے ترجمان اسماعیل بقائی نے ایکس (ٹویٹر) پر پوسٹ کیا۔ انہوں نے لکھا: "اس سفارتی عمل کی کامیابی کا انحصار مخالف فریق کی سنجیدگی اور نیک نیتی، حد سے زیادہ مطالبات اور غیر قانونی درخواستوں سے گریز، اور ایران کے جائز حقوق اور مفادات کی قبولیت پر ہے"۔ اس کا مطلب یہ ہے کہ امریکہ اپنے ان 15 مطالبات پر مذاکرات کر رہا تھا جنہیں ایران مبالغہ آمیز سمجھتا ہے، اور یہ کہ کسی بھی لمحے امریکی جارحیت کا دوبارہ آغاز ممکن ہے۔ ایسا لگتا ہے کہ امریکہ ایران کو ایک تابع ریاست بنانے کے اپنے مقصد کو حاصل کرنے پر بضد ہے۔ امریکہ کی کامیابی یا ناکامی کا انحصار ایرانیوں کے اپنے موقف پر استقامت اور لڑنے کے لیے ان کی آمادگی پر ہے۔

مجموعی صورتحال پر نظر ڈالیں تو واضح ہوتا ہے کہ خطے میں امریکہ کی موجودگی کو قبول کیا جا رہا ہے، جس کی وجہ سے اس کے ساتھ مذاکرات ہو رہے ہیں، اور فلسطین پر قابض یہودی وجود کی موجودگی کو بھی تسلیم کیا جا رہا ہے، جس سے اس کے ساتھ بھی بات چیت کی راہ ہموار ہو رہی ہے۔ تاہم، بنیادی اصول امریکہ کے ساتھ مذاکرات کرنا نہیں، بلکہ اسے خطے سے نکالنے اور بحر اوقیانوس کے پار واپس دھکیلنے کے لیے اس کے خلاف جنگ جاری رکھنا ہے، اور یہودی وجود کے خلاف اس کے مٹنے تک لڑائی جاری رکھنا ہے۔ اس کے لیے ایک ایسی ریاست کا قیام ضروری ہے جو ایک ایسے نظریے پر مبنی ہو جو اللہ سبحانہ وتعالیٰ کے کلمے کی سربلندی کے لیے جہاد کرے، یعنی نبوت کے نقشِ قدم پر خلافتِ راشدہ۔

آزادی ایک حقیقت ہے، نعرہ نہیں

آج عالمِ اسلام جن مسائل کا شکار ہے، جیسے کہ بے روزگاری کی بلند شرح، مہنگائی، گرتی ہوئی کرنسی کی قدر اور دولت کی شدید غیر مساوی تقسیم، یہ سب اس سرمایہ دارانہ نظام کے نفاذ کا براہِ راست نتیجہ ہے، جو نہ تو امت کے عقائد سے میل کھاتا ہے اور نہ ہی اس کے مفادات سے۔ جب عوامی املاک کو فروخت کیا جاتا ہے، بنیادی ضرورت کی اشیاء کی نجکاری کر دی جاتی ہے، اور شرعی احکام کے فریم ورک کے اندر مناسب حفاظتی اقدامات کے بغیر منڈیوں کو کھول دیا جاتا ہے، تو معیشت کمزور ہو جاتی ہے اور سیاسی فیصلے بیرونی طاقتوں کے غلام بن جاتے ہیں۔

معاشی آزادی کو نبوت کے نقشِ قدم پر خلافتِ راشدہ کے قیام سے الگ نہیں کیا جا سکتا۔ اسلامی معاشی نظام تب تک مکمل طور پر نافذ نہیں ہو سکتا جب تک کہ اسے ایک ایسی ریاست کے تحت نافذ نہ کیا جائے جو اسے ایک جامع نظریے کے طور پر اپنائے، جہاں قانون سازی کی حاکمیت صرف شریعت کی ہو اور اقتدار امت کا ہو۔ سرمایہ دارانہ نظام کے اندر رہ کر جزوی اصلاحات کا اثر محدود ہی رہتا ہے، کیونکہ اس نظام کی بنیاد ہی ناقص ہے۔

اسلام کے نفاذ والی ریاست کے قیام کا مطلب معیشت کے کردار کی از سرِ نو تعریف کرنا ہے۔ اسے محض تجریدی اعداد و شمار کی بنیاد پر مجموعی قومی آمدنی میں اضافے کا ذریعہ بنانے کے بجائے، لوگوں کے معاملات کی دیکھ بھال اور ان کی بنیادی ضروریات کو پورا کرنے کا ذریعہ بنانا ہے، تاکہ وہ اپنی ذمہ داریاں ادا کرنے کے قابل ہو سکیں۔

اسلام میں، ریاست ہر فرد کی بنیادی ضروریات: خوراک، لباس، رہائش اور سلامتی کی ضمانت دینے کی ذمہ دار ہے۔ یہ محض نعروں سے حاصل نہیں ہوتا، بلکہ عوامی املاک کی صحیح پاسبانی، اجارہ داریوں کی روک تھام اور سرمایہ کاری کو ایسے انداز میں چلانے سے ہوتا ہے جو سٹہ بازوں (Speculators) کے بجائے معاشرے کی خدمت کرے۔

آج کی جنگ محض اعداد و شمار اور بجٹ کی جنگ نہیں ہے، بلکہ یہ تصورات کی جنگ ہے۔ کیا دولت اللہ سبحانہ و تعالیٰ کی شریعت کے مطابق انصاف حاصل کرنے کا ذریعہ ہے، یا غریبوں کے استحصال کے ذریعے منافع کو زیادہ سے زیادہ بڑھانے کا ایک آلہ؟ کیا ریاست لوگوں کے معاملات کی ذمہ دار نگہبان ہے، یا محض آزاد منڈی (Free Market) کو ریگولیٹ کرنے والا ایک ادارہ؟ ان سوالات کے جوابات ہی پورے نظام کی اصل نوعیت کا تعین کرتے ہیں۔

جب امت اپنے اسلامی معاشی نظام کو بحال کر لیتی ہے، تو وہ اپنی سیاسی آزادی بھی دوبارہ حاصل کر لیتی ہے۔ جب اس کی فیصلہ سازی قرضوں کے دباؤ اور قرض دہندگان کی عائد کردہ شرائط سے آزاد ہو جاتی ہے، تو وہ حقیقی خارجہ پالیسیاں بنانے، اسٹریٹجک منصوبوں کی مالی معاونت کرنے اور ایک ہی مضبوط ریاست کے فریم ورک کے اندر اپنے تمام وسائل کو متحد کرنے کے قابل ہو جاتی ہے۔ تب ہی آزادی محض ایک نعرہ نہیں بلکہ ایک حقیقت بنتی ہے۔

ڈنمارک کے انتخابات: جمہوریت کا ایک اسکینڈل

ڈنمارک میں حالیہ پارلیمانی انتخابات اختتام پذیر ہو چکے ہیں، اور حسبِ معمول، مسلمان میڈیا کی بحثوں اور مباحثوں کا مرکز بنے رہے۔ گزشتہ مہینوں کے دوران انتخابی مہمات میں یہ بات واضح طور پر نظر آئی کہ مسلم ممالک کے پناہ گزینوں اور عام طور پر مسلمانوں کے خلاف توجہ اور منظم پروپیگنڈے میں اضافہ ہوا ہے۔ عوامی گفتگو میں "اپنے وطن واپسی" اور "الٹی ہجرت" (reverse migration) جیسی اصطلاحات عام ہو گئیں۔

اخبار الرایہ: انتخابات کے دوران، ڈینش سیاست دانوں کو کئی اسکینڈلز کا سامنا کرنا پڑا۔ ان میں ایک بڑی لبرل جماعت، لبرل الائنس پارٹی کے سربراہ کی جانب سے کوکین کے استعمال کا اعتراف بھی شامل تھا۔ یہ بھی انکشاف ہوا کہ ایک اور سیاست دان، جس نے عام طور پر تارکینِ وطن اور خاص طور پر مسلمانوں کے خلاف نفرت پھیلا کر ہزاروں ذاتی ووٹ حاصل کیے، وہ خود منشیات کی اسمگلنگ اور اس کے استعمال میں ملوث تھا۔

یہ سب اس کے علاوہ ہے جو مغرب میں عوامی مقبولیت (populist) کی انتخابی مہمات کی ایک امتیازی پہچان بن چکا ہے: یعنی جھوٹ، مسلمانوں کے خلاف تعصب اور نسل پرستی۔ جہاں یہ سیاست دان ملک سے نام نہاد "مجرموں" کی بے دخلی پر بحث کرتے ہیں، وہیں یہ امر انتہائی مضحکہ خیز ہے کہ خود بہت سے امیدوار مجرمانہ سرگرمیوں اور دھوکہ دہی میں ملوث ہیں۔

سیکولر مغربی اقدار اور نظام ناکام ہو چکے ہیں، اور وہ اپنے معاشروں کو کسی بامعنی سمت میں رہنمائی فراہم کرنے کے بھی اہل نہیں ہیں۔ اس کا واحد قابلِ عمل متبادل اسلام کا نظام ہے، جسے امتِ مسلمہ کو پوری دنیا میں ایک جامع نظامِ حیات کے طور پر اپنانا چاہیے، ان تمام لوگوں کے لیے جو خلوصِ دل سے ایک نئی راہ کے متلاشی ہیں۔

یہودی وجود کے ساتھ ہمارا معرکہ ایک وجودی معرکہ ہے، مفادات یا قوم پرستانہ حدود کا جھگڑا نہیں

اے مسلمانو! یہودی وجود کے ساتھ ہمارا معرکہ نہ تو مفادات کا ٹکراؤ ہے اور نہ ہی قوم پرستانہ سرحدوں کا جھگڑا، بلکہ یہ ایک وجودی معرکہ ہے جو تب تک ختم نہیں ہو گا جب تک اللہ سبحانہ و تعالیٰ کا وعدہ پورا نہ ہو جائے۔ اللہ سبحانہ و تعالیٰ کا ارشاد ہے:

﴿فَإِذَا جَاءَ وَعْدُ الْآخِرَةِ لِيَسُوءُوا وُجُوهَكُمْ وَلِيَدْخُلُوا الْمَسْجِدَ كَمَا دَخَلُوهُ أَوَّلَ مَرَّةٍ وَلِيُتَبِّرُوا مَا عَلَوْا تَتْبِيراً﴾

"پھر جب دوسرے وعدے کا وقت آیا (تو ہم نے دوسرے دشمنوں کو تم پر مسلط کیا) تاکہ وہ تمہارے چہرے بگاڑ دیں اور مسجد (بیت المقدس) میں اسی طرح داخل ہو جائیں جس طرح پہلی بار داخل ہوئے تھے، اور جس چیز پر ان کا ہاتھ پڑے اسے پوری طرح تباہ کر دیں۔" (سورۃ الاسراء:7)

یہ معرکہ تب تک ختم نہیں ہو گا جب تک رسول اللہ ﷺ کی یہ خوشخبری پوری نہ ہو جائے:

«لَا تَقُومُ السَّاعَةُ حَتَّى يُقَاتِلَ الْمُسْلِمُونَ الْيَهُودَ، فَيَقْتُلُهُمْ الْمُسْلِمُونَ، حَتَّى يَخْتَبِئَ الْيَهُودِيُّ مِنْ وَرَاءِ الْحَجَرِ وَالشَّجَرِ، فَيَقُولُ الْحَجَرُ أَوْ الشَّجَرُ: يَا مُسْلِمُ يَا عَبْدَ اللَّهِ، هَذَا يَهُودِيٌّ خَلْفِي فَتَعَالَ فَاقْتُلْهُ، إِلَّا الْغَرْقَدَ فَإِنَّهُ مِنْ شَجَرِ الْيَهُودِ»

"قیامت اس وقت تک قائم نہیں ہو گی جب تک مسلمان یہودیوں سے جنگ نہ کریں، پس مسلمان انہیں قتل کریں گے یہاں تک کہ یہودی پتھر یا درخت کے پیچھے چھپے گا تو پتھر یا درخت پکارے گا: اے مسلمان! اے اللہ کے بندے! یہ میرے پیچھے یہودی ہے، آؤ اور اسے قتل کر دو، سوائے 'غرقد' کے کیونکہ وہ یہودیوں کا درخت ہے۔" (صحیح مسلم)

حکمران اس معرکے کی ناگزیریت کو نظر انداز کرنے کی جتنی بھی کوشش کریں، یہودی وجود کے ساتھ سیکیورٹی معاہدوں اور دیگر سودے بازیوں میں جتنی بھی جلدی دکھائیں، یا اہل فلسطین کی مدد و نصرت سے غفلت برتیں، یا مسلم سرزمینوں (جیسے شام) پر بار بار ہونے والی جارحیت سے چشم پوشی کریں، اس سے اس معرکے کی وجودی نوعیت یا اس کے حتمی ہونے کی حقیقت تبدیل نہیں ہوتی۔

جہاں تک یہودی وجود کا تعلق ہے، وہ مسلمانوں کے خلاف اپنی جدوجہد کو ایک وجودی جنگ کے طور پر ہی لڑ رہا ہے، جس کا مقصد مسلمانوں کی قوت کے ذرائع کو ختم کرنا اور ان کے علاقوں پر اپنا غلبہ مسلط کرنا ہے۔ وہ دریائے فرات سے نیل تک اپنے توسیعی عزائم کا کھلم کھلا اعلان کرتا ہے، مسجدِ اقصیٰ کو شہید کر کے اس کے ملبے پر اپنی خود ساختہ ہیکل (ٹیمپل) تعمیر کرنے کی کوشش کر رہا ہے، اور ان مختلف گروہوں اور دھڑوں کی حمایت کرتا ہے جو مسلم سرزمین کو ٹکڑے ٹکڑے کرنے میں مددگار ثابت ہوں۔ ان تمام حقائق کے بعد، کیا اس معرکے کی حقیقت اور اس کے یقینی ہونے سے غافل رہنا دانش مندی ہے؟

یہودی وجود ایک انتہائی کمزور ڈھانچہ ہے جو مسلمانوں کی افواج کے سامنے ایک سچی اور مخلصانہ مقابلے کی تاب نہیں لا سکے گا۔ "آپریشن طوفانِ اقصیٰ" نے اس کی اپنی کمزوری کو پہلے ہی ثابت کر دیا ہے، جیسا کہ امریکہ نے اسے فراہم کردہ اپنی بھرپور حمایت کی حد سے اس کی کمزوری کو ظاہر کیا ہے، اور یہ وجود کسی ایسی نظریاتی ریاست کے سامنے ہرگز نہیں ٹک سکے گا جو اللہ سبحانہ وتعالیٰ کی حاکمیت کو قائم کرے، اس کے دین کی سربلندی کے لیے جنگ لڑے، اور جس کے عوام اللہ کی راہ میں جہاد اور شہادت سے محبت کرتے ہوں۔

امریکہ اور یہودی وجود کی ایران کے خلاف جنگ اور ہر مجدون کی راہ!

تحریر: انجینئر حسب اللہ النور-ولایہ سوڈان

(ترجمہ)

امریکیوں کے نزدیک یہ ایک مقدس صلیبی جنگ ہے۔ ان کا ماننا ہے کہ خدا "کفار" کے خاتمے کے لیے اس جنگ میں ان کی مدد کر رہا ہے تاکہ یوم قیامت کی راہ ہموار ہو سکے، جس سے پہلے ہر مجدون (Armageddon) کی عظیم جنگ کا ہونا لازمی ہے۔ فوجی کمانڈروں نے فوجی بیرکوں میں جمع اپنے سپاہیوں سے اسی انداز میں خطاب کیا اور ان آیات کی تلاوت کی جنہیں وہ بائبل (انجیل) کہتے ہیں۔ امریکہ کی پچاس سے زائد فوجی بیرکوں میں یہی واقعات دہرائے گئے، جہاں انہوں نے اشارہ دیا کہ یہ جنگ "مکمل طور پر خدا کے الٰہی منصوبے کا حصہ" اور "مکاشفہ کی کتاب" (Book of Revelation) کی پیشین گوئیوں کی تکمیل ہے، اور یہ کہ "صدر ٹرمپ کو حضرت عیسیٰ علیہ السلام نے ایران میں ہر مجدون کی آگ بھڑکانے اور زمین پر ان کی واپسی کی نشاندہی کے لیے منتخب کیا ہے"۔ امریکی ملٹری ریلیجئس فریڈم فاؤنڈیشن (MRFF) نے درجنوں فوجیوں اور افسران کی گواہیوں کو دستاویزی شکل دی ہے جنہوں نے اپنے یونٹس میں انتہا پسندانہ مذہبی گفتگو کی شکایت کی ہے۔

یہ رجحان کوئی الگ تھلگ نہیں ہے، اور نہ ہی یہ کسی محدود گروہ یا گمنام افراد تک محدود ہے۔ اس کے بجائے، یہ امریکی معاشرے کے کئی طبقات میں بڑے پیمانے پر جڑیں پکڑ رہا ہے۔ امریکی محکمہ محنت کے خلاف ایک مقدمہ دائر کیا گیا ہے، جہاں سیکرٹری لوری شاویز-ڈی ریمر، ہیگستھ سے متاثر ہو کر ماہانہ دعائیہ اجتماعات منعقد کرتی ہیں۔ اسی طرح، امریکی سیاستدان اور رکن کانگریس لنڈسے گراہم نے 28 فروری 2026 کو، جب ایران پر حملہ شروع ہوا، ایکس (ٹویٹر) پر پوسٹ کیا: "میں نے ابھی صدر ٹرمپ کی 8 منٹ کی تقریر دوبارہ سنی ہے، جس میں وہ موجودہ صورتحال کی منظر کشی کر رہے ہیں اور ایرانی عوام پر زور دے رہے ہیں کہ وہ اس موقع سے فائدہ اٹھائیں"۔ ان کا کہنا تھا کہ "ان کی یہ تقریر تاریخ میں مشرق وسطیٰ میں ایک ہزار سال کی سب سے تاریخی تبدیلی کے محرک کے طور پر یاد رکھی جائے گی،" جو کہ جی اٹھنے کے بعد مسیح کی واپسی کی طرف اشارہ ہے۔

جمعہ 20 فروری کو نشر ہونے والے قدامت پسند امریکی صحافی ٹکر کارلسن کے ساتھ ایک انٹرویو میں، یہودی وجود کے لیے امریکی سفیر مائیک ہکابی نے دعویٰ کیا کہ یہودیوں کا دریائے نیل سے دریائے فرات تک پھیلی ہوئی زمین پر بائبلی حق ہے، اور عہد نامہ قدیم کی "کتاب پیدائش" (Book of Genesis) میں موجود اصل دستاویز کے بارے میں ایک سوال کے جواب میں انہوں نے مزید کہا کہ "اگر وہ یہ سب لے لیں تو یہ بالکل ٹھیک ہو گا"۔ مشہور ناول سیریز "لیفٹ بیہائنڈ" (Left Behind) کا اثر، جس کی 6 کروڑ 50 لاکھ سے زیادہ کاپیاں فروخت ہو چکی ہیں، یہودی وجود، جنگ اور دنیا کے خاتمے کے بارے میں امریکی ایونجلیکل تصورات کو تشکیل دینے میں بھی استعمال کیا جاتا ہے۔

نومبر 2022 میں پیو ریسرچ سینٹر کے ایک سروے سے معلوم ہوا کہ 39 فیصد امریکی بالغوں کا خیال ہے کہ انسانیت آخری ایام (End Times) میں جی رہی ہے، اور یہ تعداد سفید فام ایونجلیکل پروٹسٹنٹ کے درمیان 63 فیصد تک پہنچ جاتی ہے (الجزیرہ، 4 مارچ 2026)۔ ریپبلکن رکن کانگریس اینڈی اوگلز نے 9 مارچ 2026 کو پوسٹ کیا: "مسلمانوں کا امریکی معاشرے سے کوئی تعلق نہیں ہے۔ کثرت پسندی (Pluralism) ایک جھوٹ ہے"۔ نیتن یاہو نے بھی ہفتہ کی شام 14 مارچ 2026 کو ایک پریس کانفرنس میں بیان دیا کہ، "میرا خیال ہے کہ ہم سب کو احساس ہے کہ بالآخر ہم آسمانی بادشاہت تک پہنچ جائیں گے، اور ہم مسیح کی واپسی کی تیاری کے مرحلے تک پہنچیں گے، اور ہم اس عظیم روحانی اور مادی طاقت کی بدولت اپنا مستقبل محفوظ بنا سکتے ہیں،" جس سے یہ اشارہ ملتا ہے کہ موجودہ تصادم "قیامت کی ایک ایسی جنگ ہے جو مشرق وسطیٰ کا نقشہ دوبارہ ترتیب دے گی"۔

اسلام کے خلاف اس مہم کی قیادت کرنے والا کوئی صحافی، سٹریٹیجک مفکر یا کوئی گمنام سیاست دان نہیں ہے، بلکہ وہ امریکی وزیرِ جنگ ہے، جس کا پورا جسم صلیبی علامات کے نقش و نگار (ٹیٹوز) سے بھرا ہوا ہے، اور جس نے اسلام اور مسلمانوں کے خلاف نفرت انگیز تحریریں لکھی اور باتیں کی ہیں۔ ہم اس کی تحریروں اور بیانات سے کچھ ایسے اقتباسات پیش کریں گے جو اس دشمنی کی عکاسی کرتے ہیں۔ اپنی کتاب "امریکن کروسیڈ: ہماری آزادی کی بقا کی جنگ" (American Crusade: Our Fight to Stay Free) میں ہیگستھ نے کہا ہے کہ، "'اسلام کا مطلب امن ہے' کا بیانیہ ایک سادہ لوح اور بزدلانہ عالمی نظریہ ہے"۔ اس نے مزید کہا کہ "اسلام پسندی دنیا میں آزادی کے لیے سب سے خطرناک خطرہ ہے۔ اس کے ساتھ نہ تو مذاکرات کیے جاسکتے ہیں، نہ اس کے ساتھ مل کر رہا جاسکتا ہے اور نہ ہی اسے سمجھا جاسکتا ہے، بلکہ اسے بے نقاب کرنا، حاشیے پر دھکیلنا اور کچلنا ضروری ہے"۔ اس کا کہنا ہے کہ "جس طرح بارہویں صدی میں عیسائی صلیبیوں نے مسلمان لشکروں کو پیچھے دھکیلا تھا، آج کے امریکی صلیبیوں کو بھی اسلام پسندوں کے خلاف اسی جرأت کا مظاہرہ کرنے کی ضرورت ہوگی"۔ اسی کتاب کے ایک اور اقتباس میں ہیگستھ نے اسلام کے خلاف سخت گیر موقف اپناتے ہوئے کہا ہے کہ، "امریکی جتنی دیر تک اس خوش فہمی میں رہیں گے کہ اسلام ایک امن کا مذہب ہے، خاص طور پر جب یورپ اور امریکہ کی آبادیاتی صورتحال مسلسل بدل رہی ہے، ہمارا کام اتنا ہی مشکل ہوتا جائے گا"۔ اس کے مطابق "اسلام اپنی بنیاد سے ہی اپنے دشمنوں، یعنی تمام 'کفار'، کے ساتھ برسرِ پیکار ہے، اور یہ کبھی نہیں رکے گا"۔

2 مارچ 2026 کو ایک بیان میں ہیگستھ نے کہا کہ، "ایران جیسی جنونی حکومتیں جو نبوی اسلام پسندی کے وہم میں مبتلا ہیں، ان کے پاس ایٹمی ہتھیار نہیں ہو سکتے"۔ 19 مارچ 2026 کو چیئرمین جوائنٹ چیفس ایئر فورس جنرل ڈین کین کے ساتھ ایک پریس بریفنگ میں، ہیگستھ نے اعلان کیا کہ، "اسلام پسند دشمن کی نشاندہی کریں، چاہے وہ سنی ہوں یا شیعہ"۔ اور یہ تو محض شروعات ہے۔ خود صدر ٹرمپ بھی اس رجحان سے محفوظ نہیں ہیں۔ انہوں نے ایک ایسے وزیرِ جنگ کا تقرر کیا ہے جس کی اسلام کے خلاف دشمنی جانی پہچانی اور انتہا درجے کی ہے۔ 9 مارچ 2016 کو سی این این (CNN) پر ٹرمپ نے کہا تھا کہ، "میرا خیال ہے کہ اسلام ہم سے نفرت کرتا ہے۔ وہاں کچھ ایسا ہے کہ، وہاں ایک زبردست نفرت پائی جاتی ہے۔ وہاں ایک شدید نفرت ہے"۔ انہوں نے مزید کہا کہ "ہمیں اس کی جڑ تک پہنچنا ہوگا۔ ہمارے خلاف وہاں ناقابلِ یقین حد تک نفرت موجود ہے"۔

ہرمجدون (Armageddon) کی جنگ، یا قیامت کی جنگ—ان کے عقیدے کے مطابق، ایک ایسی جنگ ہے جو یہودیوں کے خلاف لڑی جائے گی، جس میں 'کفار'، جس سے مراد یقیناً ہم ہیں، قتل کر دیے جائیں گے، مسجد اقصیٰ کو

شہید کر دیا جائے گا اور اس کے کھنڈرات پر ہیکل تعمیر کیا جائے گا، تاکہ مسیح کی واپسی کی راہ ہموار ہو سکے جو ایک ہزار سال تک مکمل انصاف کے ساتھ دنیا پر حکومت کریں گے۔ امریکہ کے اندر اور باہر اس طرزِ عمل کی مخالفت میں اٹھنے والی آوازوں، اور بین الاقوامی قانون کی خلاف ورزی قرار دے کر خود اس جنگ کی مخالفت کے باوجود، کچھ بھی نہیں بدلا ہے۔ جنگ بدستور پوری شدت سے جاری ہے اور وجودی خطرہ برقرار ہے۔

جی ہاں، اس جنگ کے بین الاقوامی اور علاقائی، دونوں طرح کے سیاسی مقاصد ہیں۔ اس کا مقصد ایران کی طاقت کو ختم کرنا اور اسے مکمل طور پر امریکی اثر و رسوخ کے تحت لانا ہے، تاکہ مشرق وسطیٰ میں امریکہ کے غلبے کو مضبوط کیا جا سکے اور اسے خطے کے تیل پر کنٹرول حاصل ہو جائے، جو دنیا پر حکمرانی کے اس کے منصوبے کو آسان بنا دے گا۔ اس کا مقصد یہودی وجود کو اس قابل بنانا بھی ہے کہ وہ امریکہ کے پولیس مین کے طور پر خطے پر اپنی بالادستی قائم کر سکے۔ یہ بذات خود ایک استعماری خطرہ ہے جس کا مقابلہ کرنا لازم ہے۔ تاہم، جو چیز بے مثال ہے وہ اس جنگ کی ایک بنیادی خصوصیت کے طور پر مذہبی عقائد (تھیولوجی) کا علم بلند کرنا ہے، جسے بعض تجزیہ کاروں نے صلیبی جنگ قرار دیا ہے۔

اسلام کے خلاف اس کھلی دشمنی نے، جو اس جنگ کا طرہ امتیاز رہی ہے، مسلمانوں میں یہ احساس پختہ کر دیا ہے کہ ان کے دین پر حملہ کیا جا رہا ہے، جس کے دفاع کے لیے ایک متحدہ محاذ بنانا ناگزیر ہو گیا ہے۔ ان موجودہ حکمرانوں کے پیچھے چھپنے سے نہ تو حملہ آور پیچھے ہٹے گا اور نہ ہی کوئی اپنی ذمہ داری سے بری الذمہ ہو سکے گا۔

اس لیے، فوجی کمانڈروں پر، بالخصوص جو اس خطے میں اور اس کے قرب و جوار میں موجود ہیں، اس امت اور اس کے عقیدے کے دفاع کی پہلی ڈھال کے طور پر یہ شرعی فریضہ ہے کہ وہ آگے بڑھیں اور ان موجودہ نظاموں کو ایک ایسے نظام سے بدل دیں جو امت کو ایک کر دے، اس کی کوششوں کو یکجا کرے، اور اس کے عقیدے اور مقدسات کی حفاظت کے لیے اس کی تمام تر صلاحیتوں کو بروئے کار لائے، تاکہ ہرمجدون (Armageddon) کے نظریے کو باطل کیا جا سکے۔ اللہ سبحانہ وتعالیٰ نے فرمایا ہے:

﴿لِمِثْلِ هَذَا فَلْيَعْمَلِ الْعَامِلُونَ﴾ "ایسی ہی کامیابی کے لیے عمل کرنے والوں کو عمل کرنا چاہیے" (سورۃ الصافات: 61)۔

چین غیر جانبدار نہیں ہے: سیاسی اسلام کو روکنے کے لیے ثالثی!

تحریر: استاد یوسف ارسلان

(ترجمہ)

جمعہ، 3 اپریل 2026 کو چینی وزارتِ خارجہ کی ترجمان ماؤ ننگ نے اعلان کیا کہ، "جب سے پاکستان اور افغانستان کے تنازع میں دوبارہ شدت آئی ہے، چین نے اپنے مخصوص انداز میں ثالثی کی کوششیں کی ہیں، متعدد ذرائع اور مختلف سطحوں پر دونوں فریقین کے ساتھ قریبی رابطہ برقرار رکھا ہے، اور دونوں فریقین کے درمیان بات چیت کے لیے حالات ساز گار بنائے اور پلیٹ فارم مہیا کیے ہیں۔ پاکستان اور افغانستان دونوں ہی چین کی ثالثی کو قدر کی نگاہ سے دیکھتے اور اسے خوش آئند قرار دیتے ہیں اور دوبارہ بیٹھ کر بات چیت کرنے پر آمادہ ہیں۔ یہ ایک مثبت پیش رفت ہے۔ مشاورت کا عمل مستقل مزاجی کے ساتھ نافذ العمل اور آگے بڑھ رہا ہے۔ تینوں فریقین اس عمل سے متعلق مخصوص معاملات بشمول میڈیا رپورٹس پر مشترکہ فہم اور اتفاق رائے رکھتے ہیں"۔

افغانستان اور پاکستان کے درمیان حالیہ کشیدگی کا آغاز فروری 2026 کے آخر میں افغان سرزمین کے اندر پاکستانی فضائی حملوں اور دونوں اطراف سے الزامات کے تبادلے کے بعد ہوا۔ اسلام آباد کابل پر ٹی ٹی پی (TTP)، یعنی پاکستانی طالبان کو پناہ دینے کا الزام لگاتا ہے، جبکہ کابل ان الزامات کی تردید کرتا ہے۔ یہ جھڑپیں 2021 میں افغانستان میں

طالبان کی اقتدار میں واپسی کے بعد سے بدترین سرحدی کشیدگی کی عکاسی کرتی ہیں، جس نے پاکستان اور افغانستان کے درمیان مشترکہ سرحد کو براہِ راست تصادم کے علاقے میں تبدیل کر دیا ہے۔

سطحی طور پر، چین خود کو ایک غیر جانبدار ثالث کے طور پر پیش کرنے کی کوشش کر رہا ہے۔ ماؤ ننگ اور دیگر چینی سفارت کاروں نے بارہا یہ دعویٰ کیا ہے کہ بیجنگ کسی کی طرف داری کیے بغیر محض "مذاکرات کے لیے ایک پلیٹ فارم فراہم کر رہا ہے"۔ اس تاثر کو افغانستان کے اندر بھی بڑی احتیاط کے ساتھ فروغ دیا جا رہا ہے۔ کابل میں طالبان سے وابستہ میڈیا اور حکام چین کے "تعمیری اور دوستانہ کردار" کی بات کرتے ہیں اور اسے باہمی احترام کی علامت قرار دیتے ہیں۔ تاہم، جیو پولیٹیکل (جغرافیائی سیاسی) حقیقت یہ بتاتی ہے کہ چین غیر جانبدار نہیں ہے۔ بیجنگ کے اسلام آباد کے ساتھ تعلقات تاریخ، معیشت اور سلامتی میں گہرے پیوست ہیں، اور طالبان، چینی سرمایہ کاری کی ضرورت کے باعث، عملی طور پر بیجنگ کی کھینچی ہوئی سرخ لکیروں کی پاسداری کرتے ہیں۔ لہٰذا، اس کی ثالثی کوئی غیر جانبدارانہ سفارت کاری نہیں ہے، بلکہ یہ اپنے اہم مفادات کے تحفظ اور انتظام کا ایک آلہ ہے۔

خطے میں چین کے بنیادی مفادات، سب سے پہلے اور اہم ترین، سلامتی (سیکیورٹی) سے متعلق ہیں۔ وہ پاکستان اور افغانستان میں موجود اسلامی گروہوں کے بارے میں گہری تشویش رکھتا ہے۔ پاکستان میں چینی کارکنوں اور منصوبوں پر پاکستانی طالبان کے بار بار ہونے والے حملوں نے خطرے کی گھنٹیاں بجا دی ہیں۔ اس کے ساتھ ساتھ، افغانستان میں جہادی گروہوں کی موجودگی، بشمول ایغوروں کی ایسٹ ترکستان اسلامک موومنٹ (ETIM)، چین کے لیے ایک براہِ راست خطرہ ہے، جو یہ نہیں چاہتا کہ افغان سرزمین ایغور جنگجوؤں کا نیا ٹھکانہ بنے۔ لہٰذا، حالیہ ثالثی امن کے قیام کی کسی حقیقی کوشش کے بجائے پاکستان کے تعاون سے ان گروہوں کو مشترکہ طور پر قابو کرنے کی کوشش زیادہ معلوم ہوتی ہے۔

سلامتی کے ان خدشات کے ساتھ ساتھ، چین پاکستان کے موقف کے عین مطابق سیاسی اسلام کے اثر و رسوخ کو روک کر اپنے اقتصادی اثر و رسوخ کو برقرار رکھنے اور وسعت دینے کی کوشش کر رہا ہے۔ حالیہ کشیدگی براہِ راست پاک-چین اقتصادی راہداری (CPEC) کو نشانہ بناتی ہے، جو کہ 60 ارب ڈالر کا منصوبہ اور 'بیلٹ اینڈ روڈ انیشیٹو' کا بنیادی ستون ہے۔ سرحدی جھڑپوں نے نہ صرف تجارت اور ٹرانزٹ روٹس (آمد و رفت کے راستوں) کو درہم برہم کیا ہے، بلکہ افغانستان تک سی پیک (CPEC) کی توسیع بشمول سونا، تانبا اور لیتھیم تک رسائی اور وسطی ایشیا کے لیے نئے راستے

کھولنے میں بھی تاخیر کر دی ہے۔ ثالثی کے ذریعے، چین بنیادی طور پر جنگ بندی قائم کرنے، سرحدی راستوں کو دوبارہ کھولنے اور اپنی سرمایہ کاری کو ان خطرات سے بچانے کی کوشش کر رہا ہے۔ یہ دوہرا نقطہ نظر یعنی پہلے روک تھام اور پھر معاشی توسیع، جنوبی ایشیا کو اپنے اہم حلقہ اثر میں تبدیل کرنے کے حوالے سے بیجنگ کی سٹریٹجک ترجیح کی عکاسی کرتا ہے۔

چین خطے میں امریکہ کی پالیسی سے بھی بخوبی آگاہ ہے۔ ان تناؤ کو ہوا دے کر یا ان سے فائدہ اٹھا کر، امریکہ پاکستان کی توجہ بھارت کے ساتھ اس کی بنیادی دشمنی سے ہٹا کر افغان میدان کی طرف مبذول کرانا چاہتا ہے۔ اس منظر نامے کے مطابق، بھارت کو اپنی اقتصادی اور فوجی صلاحیتوں کو مضبوط کرنے کا زیادہ موقع ملے گا، جس سے وہ چین کے خلاف ایک مدمقابل قوت (کاؤنٹر ویٹ) کے طور پر کام کرنے کے قابل ہو جاتا ہے۔ چین نہیں چاہتا کہ خطہ ان امریکی اہداف کی طرف جائے، کیونکہ بھارت کی پوزیشن مضبوط ہونے سے بحر ہند اور جنوبی ایشیا میں چین کے سٹریٹجک اثر و رسوخ پر منفی اثر پڑے گا۔

نتیجتاً، چینی کمیونسٹ پارٹی کی پالیسی سیاسی اسلام کے خلاف ایک گہری اور اصولی دشمنی، اور خطے میں اس کے ابھار کے شدید خوف پر مبنی ہے۔ پارٹی اسلامی تحریکوں کو مشرقی ترکستان میں اپنے قائم شدہ کنٹرول اور یہاں تک کہ اپنے علاقائی قرب و جوار کے لیے بھی ایک وجودی خطرہ تصور کرتی ہے، اور اسے 'ایسٹ ترکستان اسلامک موومنٹ' (ایغور) جیسے گروہوں کا خوف ہے جو افغان سرزمین سے کارروائیاں شروع کر سکتے ہیں۔ پاکستان میں چینی منصوبوں پر پاکستانی طالبان کے حملوں نے سلامتی کے ان خدشات کو مزید تقویت دی ہے۔

علاوہ ازیں، معاشی محرکات بھی ایک کلیدی عنصر ہیں۔ سرحدی کشیدگی پاک-چین اقتصادی راہداری (سی پیک) اور افغانستان تک 'بیلٹ اینڈ روڈ انیشیٹو' کی توسیع بشمول لیتھیم، تانبے اور سونے تک رسائی کے لیے خطرہ ہے۔ جغرافیائی سیاسی طور پر، چین اس امریکی حکمتِ عملی کی مخالفت کرتا ہے جس کے تحت ان تناؤ سے فائدہ اٹھا کر پاکستان کی توجہ بھارت کے ساتھ اس کی دشمنی سے ہٹائی جا رہی ہے، تاکہ بیجنگ کے مدمقابل ایک قوت کے طور پر نئی دہلی کی پوزیشن کو مضبوط کیا جا سکے۔ لہٰذا، چین کی ثالثی محض امن کے حصول کی کوئی غیر جانبدارانہ کوشش نہیں ہے، بلکہ یہ کشیدگی کو منظم کرنے، مشترکہ خطرات پر قابو پانے اور اپنے معاشی و سلامتی کے اثر و رسوخ کو گہرا کرنے کا ایک آلہ ہے۔

حزب التحریر ولایہ افغانستان کے میڈیا آفس کے رکن

امت کے نوجوان: بکھری ہوئی توانائی سے خلافت قائم کرنے والی قوت تک

تحریر: استاذ سعید فضل

(ترجمہ)

عالمِ اسلام میں نوجوانوں کا مسئلہ محض ایک ایسی عمر کے گروہ کا نہیں ہے جسے تفریحی پروگراموں یا ملازمت کے مواقع کی ضرورت ہے۔ بلکہ یہ ایک اسٹریٹجک مسئلہ ہے جسے اگر ایک واضح نظریاتی منصوبے کی طرف نہ موڑا گیا، تو یہ بوجھ بن جائے گا یا دوسروں کے ایجنڈوں کا ایندھن بنے گا۔ نوجوان مرد اور خواتین کسی بھی نظریے کو اٹھانے کی سب سے زیادہ صلاحیت رکھتے ہیں، اس پر سب سے تیزی سے ردِ عمل دیتے ہیں اور اسے اپنانے میں سب سے زیادہ دلیر ہوتے ہیں۔ اسی لیے، پوری اسلامی تاریخ میں، عالمِ اسلام نے جس کسی بھی کلیدی تبدیلی کا مشاہدہ کیا، نوجوان اس کے ہراول دستے میں رہے۔

جب ہم تاریخ پر نظر ڈالتے ہیں، تو ہمیں معلوم ہوتا ہے کہ بڑی تبدیلیاں ہچکچاہٹ کا شکار یا مراعات یافتہ طبقے نے نہیں، بلکہ اس نسل نے برپا کیں جو ایک نظریے پر یقین رکھتی تھی اور اس کے لیے جیتی تھی۔ محمد الفاتح کی مثال یاد کرنا ہی کافی ہے، جنہوں نے اپنی جوانی میں قسطنطنیہ فتح کرنے کا بیڑا اٹھایا۔ انہوں نے خود کو ایک علاقائی حکمران کے طور پر نہیں، بلکہ ایک ایسی ریاست کے سربراہ کے طور پر دیکھا جو ایک رسالت (پیغام) اور ایک مشن لے کر چل رہی تھی اور نبی کریم ﷺ کی بشارتوں کو پورا کرنے کی تگ و دو کر رہی تھی۔ اسی طرح، اسامہ بن زید رضی اللہ عنہ نے ایک ایسے لشکر کی قیادت کی جس میں رسول اللہ ﷺ کے جلیل القدر صحابہ کرام رضی اللہ عنہم شامل تھے۔ ان کے لیے قیادت کا معیار صلاحیت، اہلیت اور وابستگی تھی، نہ کہ عمر۔

یہ مثالیں محض تاریخی تعریف و تحسین کے لیے بیان نہیں کی گئیں، بلکہ ایک سیاسی اصول کی توثیق کے لیے ہیں: کہ جب نوجوانوں کو ایک واضح نظریے اور ریاست کے تصور سے جوڑ دیا جاتا ہے، تو وہ تبدیلی کی ایک حقیقی قوت بن جاتے ہیں۔ اسلامی ریاست کے تحت، نوجوانوں کو ثانوی کرداروں تک محدود نہیں کیا گیا تھا۔ اس کے بجائے، وہ فیصلہ سازی، پیغامِ اسلام (رسالت) کی اشاعت، اللہ کے راستے میں جدوجہد، اور اسلام کی بنیادوں پر معاشرے کی تعمیر کا لازمی حصہ تھے۔

تاہم، آج مسئلہ مسلم ممالک میں نوجوان مردوں اور عورتوں کی کمی کا نہیں ہے، بلکہ اس سیاسی اور فکری ماحول کی نوعیت کا ہے جس میں وہ جی رہے ہیں۔ عثمانی خلافت کے زوال کے بعد جو موجودہ کٹھ پتلی (ایجنٹ) حکومتیں قائم ہوئیں، وہ نہ تو اس اصول پر مبنی تھیں کہ حاکمیت امت کے پاس ہے، اور نہ ہی اس اصول پر کہ اسلام وہ نظریہ ہے جو ریاست کی رہنمائی کرتا ہے، بلکہ وہ سرمایہ دارانہ بین الاقوامی نظام سے جڑی سیکولر قوم پرست بنیادوں پر قائم تھیں۔ یہ فطری بات ہے کہ یہ حکومتیں ایسی نسل تیار کرنے کی کوشش کریں جو اسلام سے کٹی ہوئی ہو اور ان کے حالات میں رچ بس جائے، نہ کہ ایسی نسل جو ان کے جواز پر سوال اٹھائے یا انہیں بدلنے کے لیے کام کرے۔

اس لیے، نوجوان مردوں اور عورتوں کو صارفیت (کنزیومرازم)، لایعنی چیزوں میں مصروفیت اور کسی بھی اجتماعی مقصد سے عاری انفرادی کامیابی کے قصوں کے پیچھے بھاگنے کی طرف دھکیلا جاتا ہے۔ ان کے ذہنوں میں یہ بات بٹھا دی جاتی ہے کہ سب سے بڑی منزل ایک آرام دہ نوکری یا کسی "ترقی یافتہ" ملک کی طرف ہجرت ہے، جبکہ بنیادی سوال ان سے اوجھل کر دیا جاتا ہے: آپ کی امت میں آپ کا کیا کردار ہے؟ ایک ایسی حقیقت کے بارے میں آپ کا کیا موقف ہے جہاں اللہ سبحانہ وتعالیٰ کی شریعت نافذ نہیں ہے، اور جہاں مسلمانوں کی وحدت برقرار نہیں ہے؟

اسلام کی سیاسی ثقافت نوجوان مردوں اور عورتوں کو محض ایک ایسے سماجی گروہ کے طور پر نہیں دیکھتی جسے نفسیاتی مدد کی ضرورت ہو، بلکہ انہیں تبدیلی کی ایک ایسی قوت قرار دیتی ہے جسے ایک نظریاتی منصوبے سے منسلک ہونا چاہیے۔ اسلام نے حاکمیت شریعت کے لیے اور اقتدار امتِ مسلمہ کے لیے مقرر کیا ہے، اور مسلمانوں پر یہ فرض کیا ہے کہ وہ ایک ایسے خلیفہ کی بیعت کریں جو اسلامی شریعت کو نافذ کرے اور دعوت وجہاد کے ذریعے اس کی رسالت (پیغام) کو دنیا تک پہنچائے۔ یہ شرعی فریضہ صرف علماء اور سیاست دانوں کی اکیلی ذمہ داری نہیں ہے، بلکہ پوری امتِ مسلمہ، بالخصوص اس کے نوجوانوں (شباب) کی ذمہ داری ہے۔

نوجوان مرد اور خواتین فکری کشمکش کا بوجھ اٹھانے کے لیے بہترین صلاحیت رکھتے ہیں کیونکہ وہ فوری مفادات کے پابند کم ہوتے ہیں اور قربانی دینے کے لیے زیادہ تیار ہوتے ہیں۔ وہ موجودہ حکمران نظاموں کے جھوٹ کو بے نقاب کرنے، ان کی محکومی کو ظاہر کرنے اور امت کے عقیدے کے ساتھ ان کے تضاد کو ثابت کرنے کے لیے سیاسی جدوجہد کرنے کے لیے - بھی بہترین پوزیشن میں ہیں۔ تاہم، یہ مقصد جذباتیت اور بے لگام جوش وخروش سے حاصل نہیں کیا جاسکتا، بلکہ اس کے لیے اس نظریاتی سیاسی شعور کی ضرورت ہے جو بین الاقوامی نظام کی نوعیت کو سمجھتا ہو، ریاستوں کی اصل حقیقت اور حکمرانوں کی ملی بھگت کو پہچانتا ہو، اور شرعی دلائل کی روشنی میں اسلام کے نظامِ حکومت کو سمجھتا ہو۔

نوجوانوں کو قیامِ خلافت کی قوت میں تبدیل کرنے کا مطلب معاشرے کو عسکری رنگ دینا یا فضول مسلح تصادموں میں الجھنا نہیں ہے۔ بلکہ اس کا مطلب ایک ایسی رائے عامہ بیدار کرنا ہے جو عمومی شعور سے پیدا ہو، جسے ایک ایسا نظریاتی گروہ اپنائے جو خیالات اور تصورات کو تبدیل کرنے کے لیے کام کر رہا ہو، یہاں تک کہ شریعت کا نفاذ محض ایک جذباتی تڑپ کے بجائے شعوری بنیادوں پر عوامی مطالبہ بن جائے۔ اسلام میں تبدیلی کا آغاز ایک فکر (نظریے) سے ہوتا ہے، پھر وہ رائے عامہ میں بدلتی ہے، اور آخر کار سیاسی حقیقت میں ڈھل جاتی ہے۔

وہ نوجوان مرد یا عورت جو یہ سمجھتی ہے کہ عقیدے کے بندھن کے مقابلے میں قوم پرستی ایک مصنوعی رشتہ ہے، اور یہ کہ موجودہ قوم پرستانہ سرحدیں ان کی امت کو تقسیم کرنے کے لیے مسلط کی گئی تھیں، وہ محض نعرے لگانے پر اکتفا نہیں کرے گا۔ وہ سوال کرے گا: وہ سیاسی وجود کہاں ہے جو مسلمانوں کو متحد کرتا ہے؟ وہ نظامِ حکومت کہاں ہے جو مکمل طور پر شریعت نافذ کرتا ہے؟ وہ ریاست کہاں ہے جو امت کی دولت کو عوامی ملکیت بناتی ہے، جس کا انتظام غیر ملکی کارپوریشنوں کے بجائے امت کے فائدے کے لیے چلایا جاتا ہو؟

نوجوانوں کی توانائیوں کے رخ کو موڑنے کا آغاز کامیابی کی از سرِ نو تعریف سے ہوتا ہے۔ کامیابی ایسے نظام میں رچ بس جانے میں نہیں ہے جو اسلامی عقیدے کے منافی ہو، بلکہ اسے تبدیل کرنے کی جدوجہد میں ہے۔ کامیابی امت کی کمزوری کے عالم میں انفرادی فائدے حاصل کرنے میں نہیں، بلکہ اس نظریاتی اور شعوری سیاسی عمل کا حصہ بننے میں ہے جس کا مقصد خلافتِ راشدہ علیٰ منہاج النبوۃ کے قیام کے ذریعے اسلامی طرزِ زندگی کا دوبارہ احیاء کرنا ہو۔

آج عالمِ اسلام ایک دوراہے پر کھڑا ہے۔ اس کے نوجوان یا تو بکھرے ہوئے، انفرادی منصوبوں کے اسیر رہ سکتے ہیں، یا پھر تبدیلی کے عمل کی قیادت کرنے والے ایک باشعور ہراول دستے میں تبدیل ہو سکتے ہیں۔ لایعنی کاموں میں یا غیر اسلامی ایجنڈوں کی خدمت میں ضائع ہونے والی نوجوانوں کی ہر توانائی ایک اسٹریٹجک نقصان ہے، جبکہ ہر وہ نوجوان مرد یا عورت جو اسلام کے سیاسی وژن کو اپناتا ہے، وہ مستقبل کی اسلامی ریاست کی تعمیر میں ایک بنیادی اینٹ کی مانند ہے۔

تاریخ گواہی دیتی ہے کہ بڑی تبدیلیاں اکثر نوجوانوں کی اس نسل سے شروع ہوتی ہیں جو کرپٹ جمود (اسٹیٹس کو) کو مسترد کرنے کا فیصلہ کرتی ہے، اور یہ کسی پرجوش ہنگامہ آرائی کے ذریعے نہیں، بلکہ ایک واضح وژن کے ساتھ باشعور وابستگی کے ذریعے ہوتا ہے۔ عالمِ اسلام کے نوجوان اپنے اسلاف سے کسی طور کم تر نہیں ہیں، لیکن انہیں ایک صحیح سمت نما، ایک متحد کرنے والے منصوبے اور منظم عمل کی ضرورت ہے جو یقین کو حقیقت میں بدل دے۔ اللہ سبحانہ وتعالیٰ نے فرمایا:

﴿إِنَّهُمْ فِتْيَةٌ آمَنُوا بِرَبِّهِمْ وَزِدْنَاهُمْ هُدًى﴾ "بے شک وہ چند نوجوان تھے جو اپنے رب پر ایمان لائے تھے اور ہم نے ان کو ہدایت میں بڑھا دیا تھا۔" (سورہ الکہف، آیت: 13)

ولایہ مصر میں حزب التحریر کے میڈیا آفس کے رکن

مسلمانوں کی جنگ ایک ہے اور ان کی صلح بھی ایک ہے

مسلمانوں کی جنگ ایک ہے اور ان کی صلح (امن) بھی ایک ہے۔ ان کے لیے یہ ہر گز جائز نہیں ہے کہ وہ کسی بھی کافر کو اپنی سرزمین کے کسی بھی حصے پر حملہ کرنے کی اجازت دیں۔ اس کے بجائے، انہیں ایک جسم کی مانند کھڑا ہونا چاہیے تاکہ وہ ایک دوسرے کی مدد کریں اور اپنے خلاف ہونے والی جارحیت کا راستہ روکیں۔ رہا اپنی زمینوں، فضائی حدود اور پانیوں کو اپنے (مسلمان) بھائیوں کے خلاف حملوں کے لیے استعمال ہونے دینا، تو اللہ کی قسم، یہ سنگین ترین گناہوں میں سے ایک ہے۔

مسلم مقبوضات کو ایک ہی ریاست یعنی نبوت کے نقشِ قدم پر قائم خلافت میں متحد کرنا ہی مسلمانوں کو درپیش تمام مسائل کا واحد حل ہے۔ ان کا خلیفہ وہ (ڈھال) ہے جس کے ذریعے وہ تحفظ پاتے ہیں اور جس کے پیچھے رہ کر وہ جنگ لڑتے ہیں۔ خلافت کا وجود استعماری کافروں کو کسی بھی مسلم سرزمین پر جارحیت کا سوچنے سے بھی باز رکھتا ہے۔ اگر مسلمانوں کا خلیفہ ہوتا، تو نہ تو امریکہ اور نہ ہی اس کی پروردہ، مسخ شدہ یہودی ریاست، مسلمانوں پر حملہ کرنے کی جرات کر پاتی۔

اگر یہ مسلمانوں کے 'رویبضہ' یعنی احمق اور نااہل حکمران نہ ہوتے، تو امریکہ نہ تو ایران کے خلاف جارحیت کر پاتا اور نہ ہی اس سے پہلے عراق اور افغانستان پر قبضہ کر پاتا۔ چنانچہ، ہم مسلمانوں کو دعوت دیتے ہیں کہ وہ ان 'رویبضہ' حکمرانوں کو ہٹانے، اور ان کمزور ریاستوں کے خاتمے کے بعد ان کی جگہ نبوت کے نقشِ قدم پر خلافتِ راشدہ ثانیہ قائم کرنے کے لیے حزب التحریر کے ساتھ مل کر جدوجہد کریں اور اس کی مدد کریں۔ اس کا مقصد اللہ کی نازل کردہ شریعت کے مطابق نظامِ حکومت کا نفاذ، اپنی زمینوں کو کافروں کے حملوں سے محفوظ بنانا اور اسلام کے پیغام کو پوری دنیا تک پہنچانا ہے۔

استعماری مغرب کو خلافت سے کس بات کا خوف ہے

امریکہ کے لیے اپنی اجارہ داری برقرار رکھنا اس لیے آسان ہے کیونکہ اس کے پاس وہ طاقت موجود ہے جو اسے کسی حقیقی حریف کے بغیر اپنی حکمت عملیاں ترتیب دینے کے قابل بناتی ہے۔ آج عالمی سیاست کی بساط پر کوئی مخالف قوت موجود نہیں ہے۔ چین ایک تجارتی دیو ہے جس سے آسانی سے نمٹا جا سکتا ہے، اور وہ ابھی تک کسی واضح طور پر متعین طاقت کی نمائندگی نہیں کرتا۔ اس کے پاس ایسا کوئی نظریہ نہیں ہے جس کے لیے وہ خود کو قربان کرنے کے لیے تیار ہو۔ اس کے بجائے، وہ خالصتاً تجارتی اور تکنیکی ذہنیت کے ساتھ کام کرتا ہے۔

صرف اسلامی ریاست ہی اس حقیقت کو بدلنے کی صلاحیت رکھے گی، اور یہی وہ چیز ہے جو انہیں خوفزدہ کرتی ہے، اور انہیں مسلم سرزمینوں پر تمام تنازعات کو کنٹرول کرنے، ہمارے ممالک میں فوجی اور اقتصادی ڈھانچے کو تباہ کرنے، اور یہاں تک کہ پہلے سے تقسیم شدہ کو مزید تقسیم کرنے اور اس خطے کو یہودی وجود کا یرغمال بنانے پر مجبور کرتی ہے، تاکہ اسے اس خطے کے اندر ایک 'اسٹرائیک فورس' (Strike Force) بنایا جا سکے، حالانکہ یہ خطہ اسے لگام ڈالنے کی صلاحیت رکھتا ہے۔ تاہم، اللہ سبحانہ وتعالیٰ کا ارشاد ہے: ﴿**وَيَمْكُرُونَ وَيَمْكُرُ اللَّهُ وَاللَّهُ خَيْرُ الْمَاكِرِينَ**﴾ "وہ اپنی چالیں چل رہے تھے اور اللہ اپنی تدبیر فرما رہا تھا، اور اللہ بہترین تدبیر فرمانے والا ہے" [سورۃ الانفال:30]۔

اسلامی ریاست اللہ کے حکم سے یقیناً قائم ہو کر رہے گی، کیونکہ یہ ہم سے اللہ سبحانہ وتعالیٰ کا وعدہ ہے۔ یہ اس لیے بھی ہے کہ ایک ایسی 'حزب' (جماعت) اس کے لیے کام کر رہی ہے، جس نے اس مقصد کو اپنا رکھا ہے اور اسے مسلسل اپنی نظروں کے سامنے رکھا ہوا ہے۔ یہ حزب التحریر ہے جس کا عزم کمزور نہیں پڑتا اور جس کا ارادہ متزلزل نہیں ہوتا، اور جو یہ جانتی ہے کہ اللہ سبحانہ وتعالیٰ ضرور کامیابی عطا فرمائے گا، چاہے وہ کچھ وقت کے بعد ہی کیوں نہ ہو۔

اللہ سبحانہ وتعالیٰ فرماتا ہے: ﴿**إِنَّ الَّذِينَ كَفَرُواْ يُنفِقُونَ أَمْوَالَهُمْ لِيَصُدُّواْ عَن سَبِيلِ اللّهِ فَسَيُنفِقُونَهَا ثُمَّ تَكُونُ عَلَيْهِمْ حَسْرَةً ثُمَّ يُغْلَبُونَ وَالَّذِينَ كَفَرُواْ إِلَى جَهَنَّمَ يُحْشَرُونَ**﴾ "بے شک جن لوگوں نے کفر کیا وہ اپنے مال اس لیے خرچ کرتے ہیں کہ (لوگوں کو) اللہ کی راہ سے روکیں، سو وہ اسے خرچ کرتے رہیں گے پھر وہ (مال) ان کے لیے باعثِ حسرت بن جائے گا پھر وہ مغلوب کر دیے جائیں گے، اور کفر کرنے والے جہنم کی طرف ہانکے جائیں گے" [سورۃ الانفال:36]۔

اسلامی امت، انتشار اور بیداری کے درمیان

ناقابلِ تردید حقیقت یہ ہے کہ امت کی حالت تب تک نہیں بدلے گی جب تک وہ محض انتظار کی کیفیت میں رہے گی۔ یہ امت نعروں، تقریروں، جمعہ کے خطبات، یا قرآنِ مجید کے احکامات کو نافذ کیے بغیر محض قرآنی تعلیم کے مراکز کھولنے، یا صرف معجزات کی تمنا کرنے سے اپنا کھویا ہوا وقار حاصل نہیں کر سکتی۔ اس کے بجائے، جس چیز کی ضرورت ہے وہ حقیقی شعور، منظم جدوجہد (نیک اعمال) اور مخلصانہ صف بندی ہے۔ بیداری کا راستہ آسائشوں سے مزین نہیں ہے، بلکہ اس کی قیمت بہت زیادہ ہے۔

تاہم، وہ سوال جو ایمانداری سے پوچھا جانا چاہیے وہ یہ ہے: کیا ہم بغیر کسی سمت کے ایک امت کے طور پر رہنا قبول کرتے ہیں، یا ہم اس کی بحالی کے راستے کی قیمت ادا کرنے کے لیے تیار ہیں؟ اگر ہم 'تمکین' (اقتدار و غلبہ) والی نسل نہیں ہیں، تو کم از کم ہمیں وہ نسل بننا چاہیے جو اس کے لیے راستہ ہموار کرے۔ آیئے ان لوگوں کے ساتھ مل کر کام کریں جنہوں نے نبوت کے نقشِ قدم پر خلافتِ راشدہ کے دوبارہ قیام کے ذریعے امت کو اس کے حقیقی رخ پر واپس لانے کے لیے اپنی زندگیاں وقف کر دی ہیں، یعنی حزب التحریر۔

لہٰذا، اے ہماری افواج، اے ہماری عسکری قوت کے منبع، اس امت کے مددگار بنو اور خلافت کے قیام کے لیے جدوجہد کی تیاری کرو۔ اللہ سبحانہ وتعالیٰ کا ارشاد ہے:

﴿وَمَا النَّصْرُ إِلَّا مِنْ عِنْدِ اللهِ الْعَزِيزِ الْحَكِيمِ﴾ "اور مدد (و نصرت) تو اللہ ہی کی طرف سے ہوتی ہے جو غالب اور حکمت والا ہے" (سورۃ آل عمران:126)

آج ہم جس تقسیم کا سامنا کر رہے ہیں وہ ہماری تقدیر نہیں، بلکہ ایک عارضی صورتحال ہے جسے ختم کیا جا سکتا ہے

مسلمانوں کی ریاست کی بحالی کی پکار کا آغاز مسلمانوں کے ذہنوں سے قوم پرستانہ سرحدوں اور نقشوں کو مٹانے سے ہوتا ہے۔ جب ایک مسلمان کو یہ احساس ہو جاتا ہے کہ دنیا میں کہیں بھی موجود اس کا بھائی اس کا اپنا ہی حصہ ہے، اور ان کا مقصد ایک اور تقدیر مشترک ہے، تو امت کے حقیقی خدوخال ابھرنا شروع ہو جاتے ہیں۔ جب عقیدے کے سامنے قوم پرستی پیچھے ہٹ جاتی ہے، اور محدود قومی شناختیں ایک وسیع تر اسلامی شناخت میں ضم ہو جاتی ہیں، تو امت کو دوبارہ اس شکل میں تعمیر کرنا ممکن ہو جاتا ہے جو محض ایک خواب نہیں تھا، بلکہ ایک ایسی حقیقت تھی جسے امت نے ایک طویل عرصے تک جیا ہے۔

سوال یہ نہیں ہے کہ: کیا وہ اتحاد واپس آ سکتا ہے؟۔ اس کے بجائے سوال یہ ہے کہ: جب ہم جانتے ہیں کہ ہماری تاریخ نے اس سے کہیں بہتر اور عظیم تر منظر دیکھے ہیں، تو پھر ہم اس (تقسیم والے) متبادل کو کیوں قبول کرتے ہیں؟۔ وہ امت جو کبھی ایک جسم کی مانند تھی، اسے ٹکڑوں میں بٹے رہنے کو ہرگز قبول نہیں کرنا چاہیے، چاہے کتنا ہی وقت کیوں نہ گزر

جائے۔ آج امت تقسیم اور کمزوری کی جس صورتحال سے گزر رہی ہے وہ تقدیر نہیں، بلکہ ایک عارضی حالت ہے جسے ختم کیا جاسکتا ہے، بشرطیکہ مسلمان اپنی حقیقی شناخت اور اجتماعی وحدت کا شعور دوبارہ حاصل کر لیں۔

وہ امت جس نے انہیں متحد کیا تھا کوئی افسانہ نہیں تھی، بلکہ ایک زندہ حقیقت تھی جسے اس عقیدے نے ڈھالا تھا جب وہ اعلیٰ ترین حوالہ (Reference point) تھا، اور جب امت خود کو ایک اکائی کے طور پر دیکھتی تھی، جسے نہ تو قوم پرستانہ سرحدیں تقسیم کر سکتی تھیں اور نہ ہی جھنڈے جدا کر سکتے تھے۔ اس عظمت کی بحالی محض ماضی کی یادوں میں کھوئے رہنے یا موجودہ حالات پر صرف ماتم کرنے سے نہیں آئے گی۔ بلکہ یہ لوگوں کے دلوں میں 'امت' کے معنی کو زندہ کرنے کے لیے سنجیدہ اور وقف شدہ جدوجہد کرنے، اور تمام دیگر وابستگیوں سے بالاتر ہو کر عقیدے کی بنیاد پر شناخت قائم کرنے سے حاصل ہو گی۔

یہ پیشرو رہنما، جس کی سچائی سب پر عیاں ہے اور جس نے خود کو اس مقدس مشن کے لیے وقف کر دیا ہے، آپ کو اس ریاست کی تعمیرِ نو کے لیے سنجیدہ اقدام اور مخلصانہ کوشش کی دعوت دیتا ہے جو مسلمانوں کو ایک ہی 'رایۃ' (جھنڈے) کے سائے تلے متحد کر دے۔ آیئے اس دعوت کو ایک ایسی پکار بنا دیں جو مٹتے ہوئے نقوش کو زندہ کرے، کھوئے ہوئے وقار کو واپس لائے، اور ایک ایسی ریاست کے قیام کے لیے کام کرے جو امت کے بکھرے ہوئے حصوں کو اکٹھا کرے، اس کی وحدت اور طاقت کو بحال کرے، تاکہ یہ دوبارہ 'بہترین امت' کے طور پر ابھرے، اپنا پیغامِ رسالت ایک بار پھر دنیا تک پہنچائے، اور اس تہذیب کو زندہ کرے جو دنیا کو فاسد سرمایہ دارانہ نظام کی گراوٹ سے نجات دلا سکے۔

ٹرمپ اور امریکی قیادت کا بکھراؤ

تحریر: استاد احمد زکریا

(ترجمہ)

امریکہ میں اقتدار کے ایوانوں میں جو کچھ ہو رہا ہے، یعنی ممتاز فوجی کمانڈروں کی پے در پے برطرفیاں، جن میں حال ہی میں آرمی چیف آف اسٹاف کی برطرفی سب سے نمایاں ہے، جبکہ عہدہ سنبھالنے کے بعد سے پیٹ ہیگستھ نے کم از کم دو درجن جنرلوں اور ایڈمرلز کو فارغ یا نظر انداز کر دیا ہے، یہ کوئی عام انتظامی واقعہ یا محض اندرونی ردوبدل نہیں ہے۔ اس کے بجائے، یہ اس گہرے بحران کا براہ راست عکس ہے جو امریکی سیاسی نظام کی بنیادوں پر ضرب لگا رہا ہے، اور سیاسی و فوجی شاخوں کے درمیان فیصلہ سازی کے اتحاد کے خاتمے کو ظاہر کر رہا ہے۔

دنیا کی قیادت کرنے والی قوم سے یہ توقع کی جاتی ہے کہ وہ اپنی جنگیں واضح سیاسی مقاصد کے تحت لڑے۔ اس کی فوج ان مقاصد کے نفاذ کے لیے ایک درست آلے کے طور پر ہونی چاہیے۔ یہ اس کے بالکل برعکس ہے جو ہم آج دیکھ رہے ہیں، خاص طور پر ڈونلڈ ٹرمپ کے طرزِ عمل میں۔ ٹرمپ نے فوجی ادارے کو ایسے تنازعات میں گھسیٹ لیا ہے جن کی نہ تو کوئی مخصوص سیاسی تعریف ہے اور نہ ہی اس بارے میں کوئی واضح وژن ہے کہ کیا حاصل کرنا ہے۔ یہ بذاتِ خود فوج کے ڈھانچے میں شگاف ڈالنے اور اس کی قیادت کے اندر ایک خاموش بغاوت کی کیفیت پیدا کرنے کے لیے کافی ہے، جو خود کو بغیر کسی سمت کے لڑنے کے لیے پکارا جاتا پاتی ہے۔

فوجی کارروائی اور سیاسی خلا کے درمیان یہ تضاد امریکی بوکھلاہٹ کی وضاحت کرتا ہے۔ ریاستہائے متحدہ کی فوجی برتری اور ایران کے ساتھ کشیدگی سمیت متعدد میدانوں میں اس کے حملوں کے باوجود، یہ اقدامات ایک مستحکم سیاسی نتیجہ حاصل کرنے میں ناکام ہیں کیونکہ ان میں محض واضح مقصد کی کمی ہے۔ یہ طاقت کو ایک فیصلہ کن ہتھیار سے بوجھ میں بدل دیتا ہے جو قیادت کی کوتاہیوں کو چھپانے کے بجائے انہیں بے نقاب کرتا ہے۔ مزید برآں، یہ الجھن ایک شدید بین الاقوامی کشمکش کے تناظر میں پیدا ہو رہی ہے، جس میں چین جیسی طاقتیں آگے بڑھ رہی ہیں اور ایران جیسے علاقائی کھلاڑیوں کو پیچیدہ بین الاقوامی انتظامات کے اندر استعمال کیا جا رہا ہے۔ تاہم، حیران کن بات یہ ہے کہ امریکہ، جو کبھی اس کشمکش کی رفتار کو کنٹرول کرتا تھا، اب بیدار سیاسی قیادت کی عدم موجودگی اور سیاسی دھڑوں کے درمیان حقیقی

اختلافات کے فرسودہ اثرات کی وجہ سے اسے اسی مضبوطی سے سنبھالنے کے قابل نہیں رہا۔ امریکہ کے اندر یہ تصادم اقتدار کی جنگ بن چکا ہے، نہ کہ نظریے یا سمت کا مقابلہ۔

یہیں پر سب سے خطرناک حقیقت پوشیدہ ہے: یہ بحران انتظام کا نہیں بلکہ نظریے کا بحران ہے۔ وہ سرمایہ دارانہ نظام جس پر امریکہ کی بنیاد رکھی گئی تھی اب نہ تو مربوط سیاسی قیادت پیدا کرنے کے قابل رہا ہے اور نہ ہی دنیا کی رہنمائی کے لیے کوئی وژن پیش کر سکتا ہے۔ درحقیقت، اب یہ اپنے اندرونی نظامِ حکومت میں بھی لڑکھڑا رہی ہے۔ نظریے کے اس زوال نے اس کے آلات پر براہ راست اثر ڈالا ہے: قیادت متزلزل ہو چکی ہے، فوج افراتفری کا شکار ہے، اور فیصلہ سازی کا عمل بکھر گیا ہے۔

اس پس منظر میں، عالمِ اسلام، جو بین الاقوامی میدان میں ایک اہم کردار ادا کرنے کے وسائل اور صلاحیت رکھتا ہے، اس مساوات سے باہر رہ گیا ہے۔ اس کی افواج کو دوسروں کے ایجنڈوں کی تکمیل کے لیے استعمال کیا جا رہا ہے، اس کی دولت لوٹی جا رہی ہے، اور اس پر ایک ایسی سیاسی حقیقت مسلط کی جا رہی ہے جو اس کی محکومی کو دوام بخشتی ہے۔ دریں اثنا، اس کی پوشیدہ طاقت کو وہ کم ظرف ایجنٹ استعمال کر رہے ہیں جن کا اپنی تقدیر پر کوئی حقیقی اختیار نہیں ہے۔

امریکی قیادت کے اندر موجودہ انتشار اور بین الاقوامی کشمکش کے انتظام میں بے نظمی محض ایک بڑے عالمی خلا کا پیش خیمہ ہے، جو طاقت کے توازن میں بڑی تبدیلی کا راستہ کھول رہا ہے۔ اس موقع کو محض دشمن کی کمزوری نہیں سمجھنا چاہیے، بلکہ یہ امت کے لیے ایک تاریخی موقع ہے، بشرطیکہ وہ ایسا نظریاتی سیاسی منصوبہ رکھتی ہو جو طاقت کو مقصد سے جوڑ دے اور افواج کو ان کے فطری کردار پر فائز کرے: یعنی وہ سرزمین کو آزاد کرانے کا ذریعہ بنیں، نہ کہ حکومتوں کی پاسبانی کا۔

صرف وہی امت اس خلا کو پُر کرنے اور اپنی جدوجہد کا رخ حقیقی دشمنوں کی طرف موڑنے کی صلاحیت رکھتی ہے جو اسلام کو بطور عقیدہ اور نظامِ زندگی اپنائے، اور یہ سمجھے کہ اللہ جَلَّ جَلَالَہٗ کی شریعت کے مطابق حکمرانی ہی احیاء (نشاۃِ ثانیہ) کی بنیاد ہے۔ ان دشمنوں میں سب سے پہلے یہودی وجود اور اس کے پیچھے کھڑی استعماری طاقتیں شامل ہیں۔

یہ ان لوگوں کے لیے زوال کا لمحہ ہے جو موجودہ سمت سے چمٹے ہوئے ہیں، لیکن ان کے لیے آزمائش کا وقت بھی ہے جن کے پاس وہ بصیرت ہے جو ترقی کی بنیاد بنتی ہے۔ یا تو اس موقع سے فائدہ اٹھاتے ہوئے خلافتِ راشدہ کے منصوبے کی بنیاد پر اسلامی طرزِ زندگی کو بحال کیا جائے گا، جو امت کو اس کا اصل کردار اور مقام و مرتبہ واپس دلائے گا، یا پھر امت دوسروں کے تنازعات کی یرغمال بنی رہے گی اور اپنے خون اور وسائل سے اس کی قیمت چکاتی رہے گی۔

امریکہ اور یہودی وجود کی ایران کے خلاف جنگ اور سوڈان پر اس کے اثرات

تحریر: استاذ ابراہیم عثمان (ابو خلیل)

(ترجمہ)

امریکہ اور یہودی وجود کی ایران کے خلاف جنگ نے دنیا کے تمام ممالک کو متاثر کیا ہے، خاص طور پر معاشی پہلو سے، اگرچہ اس کے اثرات کی شدت مختلف رہی ہے۔ جہاں تک اس کے اثرات کا تعلق ہے، تو یہ سوڈان کے عوام پر زیادہ شدید رہے ہیں، کیونکہ سوڈان پہلے ہی اپنی جاری جنگ اور لوگوں کی زندگیوں پر اس کے اثرات کی وجہ سے ایک گھٹن زدہ معاشی بحران کا شکار ہے۔ اس صورتحال نے امیروں کو غریب کر دیا ہے اور غریبوں کو مزید غربت میں دھکیل دیا ہے، جس سے زندگی ایک ناقابلِ برداشت جہنم بن گئی ہے کیونکہ ایندھن کی قیمتوں میں 60 فیصد سے زیادہ اضافہ ہوا ہے، جس نے نقل و حمل اور لاجسٹکس کو بری طرح متاثر کیا ہے۔ ٹکٹوں کی قیمتوں میں اضافہ ہو گیا۔ بس کے ٹکٹوں کی قیمتوں

میں 50 فیصد تک اضافہ ہوا، اور اندرونی نقل و حمل کے اخراجات میں 30 فیصد سے زیادہ اضافہ ہوا، اور روٹی کی چار چھوٹی ٹکیاں 1000 سوڈانی پاؤنڈ کی ہو گئی ہیں۔

مجموعی طور پر، تمام اشیاء، خاص طور پر اشیائے خوردونوش کی قیمتیں پہلے سے موجود کساد بازاری اور کم آمدنی کی وجہ سے قوتِ خرید میں کمی کے پیشِ نظر بڑھ گئی ہیں۔ آبادی کا ایک چھوٹا سا حصہ اب بیرونِ ملک مقیم بچوں یا رشتہ داروں کی طرف سے بھیجی گئی رقوم پر انحصار کرتا ہے، جبکہ اکثریت بمشکل گزارہ کر رہی ہے اور دن میں صرف ایک وقت کے کھانے پر گزارہ کرنے پر مجبور ہے۔

پھر، اچانک اور بغیر کسی پیشگی اطلاع کے، پچھلے چند دنوں میں سوڈانی پاؤنڈ کے مقابلے میں ڈالر کی قدر بڑھ گئی، جو 4,000 پاؤنڈ فی ڈالر سے تجاوز کر گئی، جو کہ 400 پاؤنڈ فی ڈالر سے زیادہ کا اضافہ ہے۔ اس سے درآمدی سامان کی قیمتوں میں بھی اضافہ ہوتا ہے، جو کہ سوڈان میں اب ایک معمول بن چکا ہے کیونکہ فیکٹریوں اور فارموں کے کام بند ہونے کے بعد لوگوں کی زیادہ تر ضروریات بیرونِ ملک سے پوری کی جاتی ہیں۔ سوڈان کی درآمدات ایک سال میں 9 ارب ڈالر سے تجاوز کر گئیں، اور اس خطیر رقم کو پورا کرنے کے لیے سونے کے سوا کوئی برآمدات نہیں ہیں، جس کا 70 فیصد سے زیادہ حصہ بااثر افراد اور دیگر لوگوں کی جیبوں میں چلا جاتا ہے، اور نگرانی کی عدم موجودگی میں لٹھی ہوئی دولت ہونے کی وجہ سے یہ سرکاری خزانے میں داخل نہیں ہوتا۔

حکومت، جس کا فرض ان حالات میں عوام کا بوجھ ہلکا کرنا ہے، وہ خود ان کی مشکلات میں اضافہ کر رہی ہے۔ 10 اپریل 2026 کو، سوڈانی کسٹمز اتھارٹی نے کسٹمز ڈالر کے نرخوں میں نیا اضافہ نافذ کیا، اسے 2,769 سوڈانی پاؤنڈ سے بڑھا کر 3,222 پاؤنڈ کر دیا، جو کہ 454 پاؤنڈ یا 16 فیصد سے زیادہ کا اضافہ ہے۔ یہ پہلا اضافہ نہیں تھا۔ نام نہاد کسٹمز ڈالر کی قیمت متوازی بلیک مارکیٹ میں ڈالر کی قیمت کے ساتھ مسلسل بدلتی رہتی ہے، جس سے افراطِ زر کی شرح پر منفی اثرات مرتب ہوتے ہیں، جو کہ بے مثال سطح تک بڑھ گئی ہے۔

سیاسی نقطہ نظر سے دیکھا جائے تو، ایران کے خلاف اپنی جنگ میں امریکہ کی مصروفیت، جبکہ وہ اپنے ایلچی مسعد بولس کے ذریعے سوڈانی تنازع پر اپنا کنٹرول برقرار رکھے ہوئے ہے، جو بار بار انسانی بنیادوں پر جنگ بندی کی بات کرتے ہیں بغیر یہ بتائے کہ یہ کب یا کیسے شروع ہو گی، ایران میں جنگ شروع ہونے کے بعد ایسے بیانات کے خاتمے کا باعث بنی ہے۔ سیاسی حقیقت کافی حد تک غیر تبدیل شدہ ہے، جس میں امریکہ دارفور کو الگ کر کے سوڈان کو ٹکڑے ٹکڑے کرنے پر

کام کر رہا ہے۔ صورتحال لیبیا کے منظر نامے جیسی ہو گئی ہے جہاں دو حریف حکومتیں ہیں، ایک پورٹ سوڈان اور خرطوم میں، اور دوسری جنوبی دارفور کے دارالحکومت نیالا میں ہے۔

یہ جنگ طویل عرصے سے جھڑپوں کا ایک سلسلہ بنی ہوئی ہے، جو دارفور میں جنگ کے اصل میدان اور کردوفان میں اس کے گردونواح کے علاقوں سے بہت دور ہے۔ اس میں ہونے والے واحد نقصانات فوج اور ریپڈ سپورٹ فورسز کے کبھی کبھار کے فضائی حملے یا ڈرون حملے ہیں، جو صرف بے گناہ شہریوں کو نقصان پہنچاتے ہیں۔ یہ اس لیے کیا جاتا ہے تاکہ اس تاثر سے بچا جا سکے کہ جنگ ختم ہو گئی ہے، خاص طور پر اس لیے کہ فوجی کمانڈر کسی ٹھوس کارروائی کے بغیر مسلسل پورے سوڈان میں بغاوت ختم کرنے کی باتیں کرتے ہیں۔ چنانچہ، جنوبی کردوفان اور بلیو نیل میں جنگ جاری ہے، جہاں ریپڈ سپورٹ فورسز حملہ کرتی ہیں اور فوج دفاع کرتی ہے۔ اسی علاقے کو مبینہ طور پر کئی بار آزاد کرایا جا چکا ہے! مثال کے طور پر، دلنگ کا محاصرہ ختم کرنے اور اس کے اور ہیلہ کے درمیان سڑک کھولنے کے بار بار کے دعوے اس بات کی تصدیق کرتے ہیں کہ وہاں کی جنگ تھکا دینے والی جنگ (war of attrition) ہے، جس کا مقصد اسے طویل کھینچنا ہے یہاں تک کہ لوگوں کے دلوں میں مایوسی جڑ پکڑ لے، اور وہ یہ یقین کرنے لگیں کہ یہ جنگ کبھی ختم نہیں ہو گی، یوں وہ کسی بھی حل کو قبول کرنے پر مجبور ہو جائیں یہاں تک کہ دارفور کی علیحدگی کو بھی۔

وہاں کی جنگ جھڑپوں کا ایک سلسلہ ہے۔ کچھ آوازیں کھلے عام دارفور کی علیحدگی کی وکالت کر رہی ہیں اور اس کے لیے جواز پیش کر رہی ہیں، بالکل ویسے ہی جیسے جنوبی سوڈان کی علیحدگی سے پہلے ہوا تھا۔ میڈیا اور بعض سیاست دانوں نے عوام کو جنوب کی علیحدگی قبول کرنے کے لیے تیار کرنے میں اہم کردار ادا کیا تھا۔ اب بالکل یہی ہو رہا ہے، جہاں تمام سیاسی اقدامات کا مقصد عوام کو اس حقیقت کو قبول کرنے کے لیے ذہنی طور پر تیار کرنا ہے جو امریکہ مسلط کرے گا: یعنی سوڈان کے جسم سے دارفور کا کٹ کر الگ ہونا۔

یہ لوگ ان نقصانات سے بے پرواہ ہیں جو یہ سازشیں ملک اور اس کے عوام پر ڈھاتی ہیں۔ اگر وہ اس بات سے بے خبر ہیں کہ ان کے اقدامات سوڈان کو تقسیم کرنے اور ٹکڑے ٹکڑے کرنے کے امریکی منصوبوں کی خدمت کر رہے ہیں، تو یہ ایک مصیبت ہے۔ لیکن اگر وہ باخبر ہیں اور پھر بھی قوم کے دشمنوں—کافر استعمار پسندوں—کی خدمت کر رہے ہیں، تو یہ مصیبت اس سے بھی کہیں بڑی ہے۔

دوسری جانب، یورپی ممالک، جنہیں امریکہ نے فوج اور ریپڈ سپورٹ فورسز کے مابین جنگ کے ذریعے سوڈان کے سیاسی منظر نامے سے کامیابی کے ساتھ بے دخل کر دیا تھا، وہ وہاں امریکی منصوبوں کی راہ میں رکاوٹیں کھڑی کرنے پر اب بھی پر عزم ہیں۔ اسی لیے، وہ آج بروز بدھ، 15 اپریل 2026 کو سوڈان کے متعلق منعقد ہونے والی 'برلن کانفرنس' کی کامیابی کو یقینی بنانے کے لیے اس وقت بھرپور کوششیں کر رہے ہیں۔ اگرچہ یہ کانفرنس — پچھلے دو سالوں میں ہونے والی لندن اور پیرس کانفرنسوں کی طرح — سوڈان کے معاملے پر امریکہ کی پوزیشن یا اس کے کنٹرول پر کوئی بڑا اثر نہیں ڈالے گی، لیکن یہ یقینی طور پر امریکہ اور سوڈان میں اس کے اتحادیوں کے لیے بے چینی کا باعث ہے۔ نتیجے کے طور پر، سوڈانی حکومت نے برلن میں اپنے سفارت خانے کے ذریعے جمعہ 10 اپریل 2026 کو جرمن وزارتِ خارجہ کو ایک باضابطہ یادداشت (میمورنڈم) پیش کی، جس میں سوڈان نے حکومت کی شرکت، منظوری اور تمام انتظامات میں مشاورت کے بغیر برلن کانفرنس کے انعقاد کو مسترد کرنے کا پیغام پہنچایا۔

یہ ہے سوڈان کی وہ حقیقت، جہاں وہاں کے عوام کو ان سازشوں سے باخبر رہنے کی ضرورت ہے جو کافر استعمار پسند ان کے خلاف بن رہے ہیں۔ یہ استعمار پسند ان ایجنٹوں کے ذریعے سوڈان کے بچے کھچے حصوں کو بھی ٹکڑے ٹکڑے کرنا چاہتے ہیں جو ان کی خواہشات پر عمل درآمد کرتے ہیں۔ عوام کو ان سازشوں کو ناکام بنانے اور انہیں شکست دینے کے لیے ایک ایسی نظریاتی ریاست کے قیام کی خاطر تندہی سے کام کرنا چاہیے جو سوڈان کی تقسیم کو روکے اور اسے باقی عالمِ اسلام کے ساتھ ایک مضبوط اور باوقار ریاست میں متحد کرنے کی جدوجہد کرے: یعنی "منہجِ نبوت پر دوسری خلافتِ راشدہ"۔ یہی وہ واحد ریاست ہے جو سوڈان کی حالت کو بہتر بنانے کی صلاحیت رکھتی ہے، بلکہ درحقیقت یہ پوری دنیا کی حالت بدل سکتی ہے جس کے حکمران آج لاحاصل جنگوں، معاشی بحرانوں اور دیگر آفات کی دلدل میں دھنسے ہوئے ہیں۔

ولایہ سوڈان میں حزب التحریر کے ترجمان

شعور کے زلزلے اور یقین کے دردِ زہ کے درمیان: دنیا ایک نئے نظام کی دہلیز پر

از: استاد عبدوالدالی (ترجمہ)

اسی کی دہائی کے ڈیڑھ عشرے کے دوران دنیا نے جو کچھ دیکھا وہ محض چند عارضی سیاسی یا فوجی تحریکیں نہیں تھیں۔ بلکہ یہ ایک ایسا زلزلہ ہے جس نے ان پرانے تصورات اور خیالات کی بنیادوں کو ہلا کر رکھ دیا ہے جو دہائیوں سے لوگوں کے ذہنوں میں راسخ تھے۔ آج ہم اجتماعی شعور کی ایک بڑی درستی کے عمل سے گزر رہے ہیں، جہاں خوفزدہ کرنے کے وہ اوزار جنہیں استبدادی حکومتوں نے خود غرضی اور خوف کی اقدار کے ذریعے عوام کے دلوں میں بٹھانے کی کوشش کی تھی، اب وہ گر چکے ہیں اور ان کی جگہ عوام کی آزادی اور وقار کی فطری تڑپ نے لے لی ہے۔

عوامی حمایتی پلیٹ فارم: ایک ناقابلِ تسخیر ڈھال

آج ہم جس افسانوی ثابت قدمی کا مشاہدہ کر رہے ہیں اس کا راز عوامی حمایت میں پوشیدہ ہے۔ وہ مضبوط بنیاد جو اب صرف آزادی کے منصوبوں کی حامی نہیں رہی، بلکہ خود آغاز اور انجام بن چکی ہے۔ تجربے نے یہ ثابت کر دیا ہے کہ ایک باشعور عوامی پلیٹ فارم ہی استقامت کی اصل تجربہ گاہ ہے۔ ہم نے دیکھا ہے کہ ایک ماں کس طرح اپنے بیٹے کو صبر کے ساتھ رخصت کرتی ہے، اور وہ معاشرہ جو بھاری قیمت چکانے کے باوجود مزاحمت کے راستے کو اپنائے ہوئے ہے۔ اس عوامی بنیاد نے عربی ضرب المثل "العین لا تقاوم المخرز" (آنکھ سوئی کا مقابلہ نہیں کر سکتی) کے افسانے کو چکنا چور کر دیا

ہے، جس کا مطلب یہ ہے کہ کمزور طاقتور کے سامنے نہیں ٹھہر سکتا۔ اس عوامی قوت نے نفسیاتی شکست کو انقلابی جوش و خروش میں بدل دیا ہے اور یہ ثابت کر دیا ہے کہ ظلم اور غلامی کے نظاموں کو اکھاڑ پھینکنے کے لیے عوامی حمایت ہی واحد ضمانت ہے۔

"ہوا" کا زوال اور اکتوبر کا زلزلہ

آپریشن طوفانِ اقصیٰ ایک ایسے فیصلہ کن موڑ کے طور پر سامنے آیا جس نے پرانی تاریخ کا دروازہ بند کر دیا اور ایک نئے دور کا آغاز کیا۔ برسوں سے بین الاقوامی پروپیگنڈے نے یہودی وجود اور اس کے پیچھے کھڑی عالمی طاقتوں کو ایک ناقابلِ تسخیر قوت کے طور پر پیش کیا تھا، لیکن اکتوبر 2023 کے واقعات اور ان کے بعد کے حالات نے ان طاقتوں کی اسٹریٹجک خامیوں کو بے نقاب کر دیا ہے۔

اب گفتگو کا رخ عالمی غلبے سے ہٹ کر محض وجود کی بقا تک آ پہنچا ہے، اور ناقابلِ شکست ہونے کا وہ نفسیاتی رعب غزہ کی گلیوں اور یقین کی دیواروں سے ٹکرا کر پاش پاش ہو گیا ہے۔ وہ فوجی 'ہوا' جو کل تک ہمیں خوفزدہ کرتا تھا، آج امریکہ کی بے بسی اور یہودی وجود کی کمزوری پر مبنی تجزیوں کا موضوع بن چکا ہے۔ شام کے علاقے نوا میں جبیلیہ کے جنگلات اور بیت جن کی لڑائیوں سے لے کر غزہ کی داستانِ شجاعت تک، ان سب نے ایک ایسی ناقابلِ تردید حقیقت کی تصدیق کر دی ہے کہ مادی طاقت، خواہ کتنی ہی عظیم کیوں نہ ہو، اس فعال قائد کے عزم و ارادے کے سامنے ہیچ ہے جو پختہ یقین اور نظریے سے سرشار ہو۔

مشکل دردِزہ اور ایک نئے نظام کی پیدائش

آج یہ خطہ محض کسی بحران سے نہیں گزر رہا، بلکہ یہ ایک نئے بین الاقوامی نظام کے دردِزہ کی کیفیت میں ہے جو تاریخ کے دھارے کو ایک نئی شکل دے گا۔ طوفانِ اقصیٰ کے بعد کی دنیا اس سے یکسر مختلف ہے جو اس سے پہلے تھی۔ تخت و تاج کے استحکام یا سیکیورٹی کے نازک توازن پر لگائے گئے پرانے داؤ اب سراسر خسارے کا سودا ثابت ہو چکے ہیں۔

آج ہمارے سامنے دو اور صرف دو ہی راستے ہیں: یا تو وہ توسیع پسندی جو عوام کا عزم ٹوٹنے کی صورت میں نیل سے فرات تک پورے خطے کو نگل جانے کے خواب دیکھتی ہے، یا پھر آزادی کی وہ سحر، جہاں آج غزہ اور شام وہ میزان (ترازو) بنے ہوئے ہیں جو مستقبل کے نقشے کے خدوخال طے کریں گے اور ان تمام مصنوعی وجودوں کو جڑ سے اکھاڑ پھینکیں گے جن کی نہ کوئی جڑیں ہیں اور نہ کوئی اصول۔

حاصلِ کلام: اتحاد کا فطری تناظر

شام اور اس کے انقلاب کا غزہ کی شجاعت و بہادری کے ساتھ یہ ملاپ اس امت کی ایک فطری حالت ہے جس کی تصویر کشی اللہ کے رسول ﷺ نے ان الفاظ میں فرمائی ہے: «**مَثَلُ الْمُؤْمِنِينَ فِي تَوَادِّهِمْ وَتَرَاحُمِهِمْ وَتَعَاطُفِهِمْ مَثَلُ الْجَسَدِ إِذَا اشْتَكَى مِنْهُ عُضْوٌ تَدَاعَى لَهُ سَائِرُ الْجَسَدِ بِالسَّهَرِ وَالْحُمَّى**» "مؤمنین کی مثال ان کی باہمی محبت، رحم دلی اور ہمدردی میں ایک جسم کی سی ہے۔ جب جسم کے کسی ایک حصے کو تکلیف پہنچتی ہے تو سارا جسم بے خوابی اور بخار کے ذریعے اس کا ساتھ دیتا ہے۔"

یہ عوامی ابھار اور بڑھتا ہوا شعور دراصل اپنی شناخت کی بازیابی کا ایک فطری عمل ہے، اور اس کی مخالفت کرنا ایک ایسا خسارے کا سودا ہے جو ایسا کرنے والوں کو دشمن کے کیمپ میں لا کھڑا کرتا ہے۔

یہ خطہ ایک عظیم نو-پیدائش (دوبارہ جنم لینے) کے لیے تیار ہو رہا ہے، اور اپنے عظیم مقاصد کا حصول اب پہلے سے کہیں زیادہ قریب ہے۔ جو کوئی یہ سمجھتا ہے کہ وہ 'ہوا' (خوف کا بت) اب بھی ڈراؤنا ہے، وہ دراصل ایک ایسی پرانی کتاب پڑھ رہا ہے جس کے صفحات عوامی ارادے کی تپش اور میدانِ عمل کے ٹکراؤ نے جلا کر راکھ کر دیے ہیں۔ عوام نے اپنی اصل فطرت کو دوبارہ پا لیا ہے، اور اب یہ محض وقت کی بات ہے کہ مکمل آزادی (تحریر) حاصل ہو جائے، اور ایک نئی تاریخ عزت و وقار کی سیاہی سے لکھی جائے، ایک ایسی تاریخ جس کی بنیاد ایک نظریاتی ریاست پر ہو گی جو صحیح معنوں میں لوگوں کے معاملات کی دیکھ بھال کرے گی جیسا کہ اللہ سبحانہ و تعالیٰ نے فرض کیا ہے۔ یہ وہ ریاست ہو گی جو لوگوں کو انسانوں کی بندگی سے نکال کر انسانوں کے رب کی عبادت کی طرف لے جائے گی، اور لوگوں کو ہوس پرست استعمار کے اندھیروں سے نکال کر اسلام کے نور اور اس کی رحمت کی طرف لے جائے گی۔ یہ 'منہجِ نبوت پر دوسری خلافتِ راشدہ' ہے جو اللہ سبحانہ و تعالیٰ کے حکم سے جلد قائم ہونے والی ہے۔ دشمن اور ان کے ایجنٹ اس حقیقت سے بخوبی واقف ہیں اور اس کی واپسی کو روکنے کی تگ و دو کر رہے ہیں، جبکہ ہمیں اس پر کامل یقین ہے اور ہمیں اللہ عزوجل کے وعدے کی تائید حاصل ہے، اور اللہ کبھی اپنے وعدے کی خلاف ورزی نہیں کرتا، اور ہمیں اس کے رسول ﷺ کی دی ہوئی خوشخبریوں پر پورا بھروسہ ہے۔

ولایہ شام میں حزب التحریر کے میڈیا آفس کے رکن

مسلمانوں اور انسانیت کو جہالت، ظلم اور تشدد سے بچانے کا واحد راستہ

خالق، اللہ سبحانہ و تعالیٰ کا نازل کردہ اسلام کا نظام وہ واحد راستہ ہے جو نہ صرف مسلمانوں بلکہ پوری انسانیت کو جہالت، ناانصافی اور تشدد کے ساتھ ساتھ معاشی تباہی اور اخلاقی زوال سے نجات دلا سکتا ہے، اور انہیں دائمی خوشی اور حقیقی و پائیدار فلاح و بہبود عطا کر سکتا ہے۔ اس نظام کو ایجاد کرنے یا تخلیق کرنے کی انسانیت کو ضرورت نہیں ہے، کیونکہ یہ چودہ صدیوں سے زیادہ عرصے سے بغیر کسی تحریف یا خرابی کے موجود ہے، اور اپنی اصل و پاکیزہ شکل میں ویسا ہی محفوظ ہے جیسا کہ قرآنِ کریم اور سنتِ نبوی میں نازل ہوا تھا۔

پوری انسانیت اور خاص طور پر امتِ مسلمہ کو ایسے صالح اور باصلاحیت قائدین کی ضرورت ہے جو اس نظام کو کسی بھی دوسری چیز کی آمیزش کے بغیر اس کی اصل روح کے مطابق سمجھ سکیں، اسے صحیح طریقے سے دوسروں تک پہنچا سکیں اور اسے مناسب طریقے سے نافذ کر سکیں۔ کیا امت میں کوئی ایسا ہے جو ان صفات کا حامل ہو؟ جی ہاں، وہ آپ کے درمیان، آپ کے اندر اور 1953 سے آپ کے ساتھ موجود ہیں۔

اے مسلمانو! ان کی بات سچے دل سے سنو اور سچی بصیرت کے ساتھ ان کا مشاہدہ کرو، تاکہ تم سچائی کو اس کی اصل شکل میں پہچان سکو۔ ان کی بات سنو، ان سے مضبوطی سے وابستہ ہو جاؤ، ان کی پیروی کرو، ان کی حمایت کرو اور ان کی نیک باتوں پر پورے شعور اور مخلصانہ لگن کے ساتھ عمل کرو، تاکہ تمہارے قدم حق اور ہدایت کے راستے پر استوار ہو سکیں۔ آج پوری دنیا اور خاص طور پر آپ مسلمانوں کو اس کی شدید ضرورت ہے۔ یہی نجات، ہدایت اور حقیقی خوشحالی کا واحد راستہ ہے۔